آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

Digitized by Khilafat Library

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت مئی سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۵

فہرست مضامین

ضرورت قرآن	۱۷۷
حضرت مسیح کا دس گم شدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا	۱۹۰
نوٹ اور ریویو	۲۰۵
اعلیٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری	۲۰۵
روح اللہ	۲۰۷
گذشتہ دس سال میں مسلمانوں کی ہند میں ترقی	۲۰۸
حضرت مسیح کی قبر	۲۰۹

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے انوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ

یعقوب علی تراب احمدی مالک مطبع چھپوا کر ۲۰ مئی سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع

کیا۔

چندہ سالانہ .... ادنیٰ کاغذ پر عہ .... اعلیٰ کاغذ پر ہے

اطلاع

اور ہدایتیں

۱- چندہ میگزین کا ہر حالت میں پیشگی آنا ضروری ہے۔ خریداران کو چاہیئے کہ میگزین کو بار بار کی خط و کتابت کی زیر باری سے بچانے کے لئے خود ہی سال رواں کا چندہ پیشگی ارسال فرمادیں۔

۲- جو صاحب پیشگی چندہ ارسال کرنے میں چند دن کی مہلت چاہتے ہوں اُنکو چاہیئے کہ ابھی اس امر کی اطلاع دیدیں کہ کس مہینہ کا پرچہ اُنکے نام وی پی کر کے روانہ کیا جاوے۔

۳- جن خریداروں سے پیشگی چندہ وصول نہیں ہو چکا مینجر کو اختیار ہوگا کہ کسی وقت اُنسے پرچہ وی پی کر کے قیمت وصول کرلے۔ جو صاحب رعایت چاہتے ہوں انکو ضروری ہے کہ خود دفتر میں اطلاع دیں۔

۴- منی آرڈر کے ذریعہ روپے بھیجتے وقت ضروری ہے کہ کوپن پر فرستندہ اپنا پورا نام خوشخط معہ پتہ و تفصیل روپیہ لکھے۔

۵- خط و کتابت میں اور روپیہ بھیجتے وقت خریداروں کو اپنا نمبر ساتھ لکھنا چاہیئے ورنہ وقت پر تعمیل نہ ہونیکی شکایت بیجا ہوگی۔

۶- حصص سرمایہ میگزین کا روپیہ بنام مفتی محمد صادق صاحب فنانشل سکرٹری آنا چاہیئے اور اس کے متعلق خط و کتابت مولوی شیر علی صاحب بی اے سکرٹری بورڈ آف ڈائرکٹرز یا خواجہ کمال الدین صاحب بی اے سکرٹری انجمن کے نام سے ہونی چاہیئے۔

۷- خریداری میگزین کا روپیہ اور خط و کتابت متعلقہ مینجر رسالہ سے ہونی چاہیئے۔

محمد علی مینجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ضرورت قرآن

عیسائی اور دیگر مخالفین مذہب اسلام کی طرف سے اکثر اوقات یہ سوال ہوتا ہے کہ جس صورت میں توحید کا مسئلہ توریت کے ذریعہ دنیا پر روشن ہو چکا تھا تو پھر قرآن شریف کی کیا ضرورت تھی یا مثلاً یہودیوں کے لئے جنکی کتاب توحید سکھلاتی ہے کیا ضرورت تھی کہ وہ قرآن شریف کی پیروی کریں جبکہ اسلام کا مقصد بھی سوائے توحید کیطرف آدمیوں کو بلانے کے اور کچھ نہیں تھا اس سوال کے جواب میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہودی توریت کی ہدایتوں سے بہت دور جا پڑے تھے - اگرچہ یہ سچ ہے کہ انکی کتابوں میں توحید باریتعالیٰ تھی مگر وہ اُس توحید سے منتفع نہیں ہوتے تھے - اور وہ علت غائی جسکے لئے انسان پیدا کیا گیا اور کتابیں نازل ہوئیں اُس کو کھو بیٹھے تھے حقیقی توحید یہ ہے کہ خدا کی ہستی کو مانکر اور اُسکی وحدانیت کو قبول کر کے پھر اُس کامل اور محسن خدا کی اطاعت اور رضا جوئی میں مشغول ہونا اور اُسکی محبت میں کھوئے جانا - سو عملی طور پر یہ توحید اُنمیں باقی نہیں رہی تھی - اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال اُنکے دلوں پر سے اُٹھ گئی تھی - وہ نبیوں سے خدا خدا پکارتے تھے مگر دل اُنکے شیطان کے پرستار ہو گئے تھے اور اُنکے سینے دُنیا پرستی اور دُنیا طلبی اور مکر اور فریب میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے - اُنمیں درویشوں اور راہبوں کی پوجا ہوتی تھی - اور سخت قابل شرم اور بیحیائی کے کام اُنمیں ہوتے تھے - ریاکاریاں بڑھ گئی تھیں - مکاریاں زیادہ ہو گئی تھیں - اور ظاہر ہے کہ توحید صرف اثبات کا نام نہیں کہ

مونہہ سے لا الٰہ الا اللہ کہیں اور دل میں ہزاروں بُت جمع ہوں بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالےٰ پر رکھنا چاہیئے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہیئے ان سب صورتوں میں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بُت پرست ہے۔ بُت وہی نہیں ہیں جو سونے چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے اور اُنپر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جسکو وہ عظمت دی جائے جو خدا تعالیٰ کا حق ہے وہ خدا تعالیٰ کی نگہ میں بُت ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ توریت میں اس باریک بُت پرستی کی تصریح نہیں ہے مگر قرآن شریف ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ سو قرآن شریف کو نازل کرکے خدا تعالیٰ کا ایک یہ بھی منشا تھا کہ یہ بُت پرستی بھی جو دق کی بیماری کی طرح لگی ہوئی تھی لوگوں کے دلوں سے دور کرے۔ اور اُس زمانہ میں یہودی اس قسم کی بُت پرستی میں غرق تھے اور توریت انکو چھوڑا نہیں سکتی تھی اس لئے کہ توریت میں یہ باریک تعلیم نہیں تھی اور نیز اسلئے کہ یہ بیماری جو تمام یہودیوں میں پھیل گئی تھی ایک پاک توحید کے نمونہ کو چاہتی تھی جو زندہ طور پر ایک کامل انسان میں نمودار ہو۔

یاد رہے کہ حقیقی توحید جسکا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جسکے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بُت ہو خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر فریب ہو **منزہ سمجھنا** اور اُسکے مقابل پر کوئی قادر تجویز نکرنا کوئی رازق نہ ماننا کوئی معز اور مذل خیال نکرنا کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا۔ اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اُسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اُسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلّل اُسی سے خاص کرنا۔ اپنی اُمیدیں اُسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اُسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہو سکتی۔ اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنے یہ کہ اُسکے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کیطرح سمجھنا اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنے یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر ربّ الانواع یا فیض رسان نظر آتے ہیں یہ اُسی کے ہاتھہ کا ایک نظام یقین کرنا۔ تیسرے اپنی

محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید۔ یعنے محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسری کو خدا تعالیٰ کا شریک گرداننا۔ اور اِسی میں کھوئے جانا۔ سو اس توحید کو جو تینوں شعبوں پر مشتمل اور اصل مدار نجات ہے یہودی لوگ کھو بیٹھے تھے۔ چنانچہ انکی بدچلنیاں اسبات پر صاف گواہی دیتی تھیں کہ اُنکے لبوں پر خدا کے ماننے کا دعویٰ ہے مگر دل میں نہیں۔ جیسا کہ قرآن خود یہود و نصاریٰ کو ملزم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم کرتے تو آسمانی رزق بھی اُنہیں ملتا اور زمینی بھی۔ یعنے آسمانی خوارق عادت اور قبولیت دُعا اور کشوف اور الہامات جو مومن کی نشانیاں ہیں اُنمیں پائی جاتیں جو آسمانی رزق ہے۔ اور زمینی رزق بھی ملتا مگر اب وہ آسمانی رزق سے بکلی بے نصیب ہیں اور زمین کا رزق بھی رو بحق ہو کر نہیں بلکہ رو بہ دُنیا ہو کر حاصل کرتے ہیں۔ سو دونوں رزقوں سے محروم ہیں۔

رہا یہ سوال کہ یہودیوں کو مُسلمان ہونے کی ضرورت کیا تھی وہ تو پہلے سے موحّد تھے؟ اس کا جواب ہم ابھی دے چکے ہیں کہ توحید یہودیوں کے دلوں میں قائم نہ تھی صرف کتابوں میں تھی اور وہ بھی ناقص۔ سو توحید کی زندہ روح حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ جب تک توحید کی روح انسان کے دل میں قائم نہ ہو تب تک نجات نہیں ہو سکتی۔ یہودی مُردوں کیطرح تھے اور بباعث سخت دلی اور طرح طرح کی نافرمانیوں کے وہ زندہ روح اُنمیں سے نکل چکی تھی اُنکو خدا کے ساتھ کچھ بھی میلان باقی نہیں رہا تھا اور توریت بباعث نقصان تعلیم اور نیز بوجہ لفظی اور معنوی تحریفوں کے اس لایق نہیں رہی تھی جو کامل طور پر رہبر ہو سکے اس لئے خدا نے زندہ کلام تازہ بارش کیطرح اُتارا اور اُس زندہ کلام کیطرف انکو بلایا تا وہ طرح طرح کے دھوکوں اور غلطیوں سے نجات پا کر حقیقی نجات کو حاصل کریں۔ سو قرآن کے نزول کی ضرورتوں میں سے اول یہ تھی کہ تا مُردہ طبع یہودیوں کو زندہ توحید سکھائے اور دوسرے یہ کہ تا اُنکی غلطیوں پر اُنکو متنبہ کرے۔ اور تیسرے یہ کہ تا وہ مسائل کہ جو توریت میں محض اشارہ کی طرح بیان ہوئے تھے جیسا کہ مسئلہ حشر اجساد اور مسئلہ بقا روح اور مسئلہ بہشت اور دوزخ اُنکے مفصل حالات سے آگاہی بخشے۔

یہ بات سچ ہے کہ سچائی کی تخم ریزی توریت سے ہوئی اور انجیل سے اُس تخم نے ایک آئندہ کی بشارت دینے والے کیطرح مونہہ دکھلایا۔ اور جیسے ایک کھیت کا سبزہ پوری صحت اور عُمدگی سے نکلتا ہے اور بزبان حال خوشخبری دیتا ہے کہ اس کے بعد اچھے پھل اور اچھے

خوشے ظہور کرنیوالے ہیں ایسا ہی انجیل کامل شریعت اور کامل رہبر کے لئے خوشخبری کیطور پر آئی اور فرقان سے وہ تخم اپنے کمال کو پہونچا جو اپنے ساتھہ اُس کامل نعمت کو لایا جسنے حق اور باطل میں بکلّی فرق کر کے دکھلایا اور معارف دینیہ کو اپنے کمال تک پہونچایا جیساکہ توریت میں پہلے سے لکھا تہا کہ "خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے اُنپر چمکا" !!!

یہ بات بالکل ثابت شدہ امر ہے کہ شریعت کے ہر ایک پہلو کو کمال کی صورت میں صرف قرآن نے ہی دکھلایا ہے - شریعت کے بڑے حصّے دو ہیں - حقّ اللہ - اور حقّ العباد - یہہ دونوں حصّے صرف قرآن شریف نے ہی پورے کئے ہیں - قرآن کا یہ منصب تھا کہ وحشیوں کو انسان بناوے - اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بنائے - سو اس منصب کو اُسنے ایسے طور سے پورا کیا کہ جسکے مقابل پر توریت ایک گونگے کیطرح ہے -

اور منجملہ قرآن کی ضرورتوں کے ایک یہ امر بھی تھا کہ جو اختلاف حضرت مسیح کی نسبت یہود اور نصاریٰ میں واقع تھا اُسکو دور کرے - سو قرآن شریف نے ان سب جھگڑوں کا فیصلہ کیا - جیساکہ قرآن شریف کی یہ آیت یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ الخ اِسی جھگڑے کے فیصلہ کے لئے ہے - کیونکہ یہودی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ نصاریٰ کا نبی یعنے مسیح صلیب پر کھینچا گیا - اسلئے موافق حکم توریت کے وہ لعنتی ہوا اور اُسکا رفع نہیں ہوا - اور یہ دلیل اُسکے کاذب ہونے کی ہے" - اور عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ لعنتی تو ہوا مگر ہمارے لئے - اور بعد اسکے لعنت جاتی رہی اور رفع ہو گیا - اور خدا نے اپنے دہنے ہاتھہ اُسکو بٹھالیا - اب اس آیت نے یہ فیصلہ کیا کہ رفع بلا توقف ہوا نہ یہودیوں کے زعم پر دائمی لعنت ہوئی جو ہمیشہ کے لئے رفع الی اللہ سے مانع ہے - اور نہ نصاریٰ کے زعم پر چند روز لعنت رہی اور پھر رفع الی اللہ ہوا بلکہ وفات کیساتھہ ہی رفع الی اللہ ہو گیا - اور انہی آیات میں خدا تعالےٰ نے یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ رفع توریت کے احکام کے مخالف نہیں - کیونکہ توریت کا حکم عدم رفع اور لعنت اُسی حالت میں ہے کہ جب کوئی صلیب پر مارا جائے - مگر صرف صلیب کے چھونے یا صلیب پر کچھہ ایسی تکلیف اُٹھانیسے جو موت کی حد تک نہیں پہونچتی لعنت لازم نہیں آتی اور نہ عدم رفع لازم آتا ہے - کیونکہ توریت کا منشا یہ ہے کہ صلیب خدا تعالیٰ کی طرف سے

جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے - پس جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے لیکن مسیح صلیب پر نہیں مرا اور اسکو خدا نے صلیب کی موت سے بچا لیا بلکہ جیسا کہ اُس نے کہا تھا کہ میری حالت یونس سے مشابہ ہے ایسا ہی ہوا نہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ یسوع صلیب کے پیہٹہ پر - اور اُسکی دُعا "ایلی ایلی لما سبقتانی" سُنی گئی - اگر مرتا تو پیلاطوس پر بھی ضرور وبال آتا - کیونکہ فرشتہ نے پیلاطوس کی جورو کو یہ خبر دی تھی کہ اگر یسوع مر گیا تو یاد رکھو کہ تم پر وبال آئیگا مگر پیلاطوس پر کوئی وبال نہ آیا - اور یہ بھی یسوع کے زندہ رہنے کی ایک نشانی ہے کہ اُسکی ہڈیاں صلیب کے وقت نہیں توڑی گئیں - اور صلیب پر سے اتارنے کے بعد چھیدنے سے خون بھی نکلا - اور اُسنے حواریوں کو صلیب کے بعد اپنے زخم دکھلائے - اور ظاہر ہے کہ نئی زندگی کیساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تہا - پس اس سے ثابت ہوا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا اسلئے لعنتی بھی نہیں ہوا - اور بلاشبہ اُسنے پاک وفات پائی اور خدا کے تمام پاک رسولوں کیطرح موت کے بعد وہ بھی خدا کیطرف اُٹھایا گیا - اور بموجب وعدہ اِنّی متوفیك و رافعك الیّ اُسکا خدا کیطرف رفع ہوا - اگر وہ صلیب پر مرتا تو اپنے قول سے خود جھوٹا ٹھہرتا کیونکہ اس صورت میں یونس کیساتھ اسکی کچھ بھی مشابہت نہ ہوتی -

سو یہی جھگڑا مسیح کے بارہ میں یہود اور نصاریٰ میں چلا آتا تھا جسکو آخر قرآن شریف نے فیصلہ کیا - پھر ابھی تک نصاریٰ کہتے ہیں کہ قرآن کے اُترنے کی کیا ضرورت تھی - اے نادانوں اور دلوں سے اندہو! قرآن کامل توحید لایا - قرآن نے عقل اور نقل کو ملا کر دکھلایا - قرآن نے توحید کو کمال تک پہونچایا - قرآن نے توحید اور صفات باری پر دلائل قائم کئے - اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت عقلی نقلی دلایل سے دیا - اور کشفی طور پر بھی دلائل قایم کئے - اور وہ مذہب جو پہلی قصہ کہانی کے رنگ میں چلا آتا تہا اُسکو علمی رنگ میں دکھلایا - اور ہر ایک عقیدہ کو حکمت کا جامہ پہنایا - اور وہ سلسلہ معارف دینیہ کا جو غیر مکمل تھا اُسکو کمال تک پہونچایا - اور یسوع کی گردن پر سے لعنت کا طوق اُتارا - اور اُسکے مرفوع اور سچا نبی ہونیکی شہادت دی - تو کیا اسقدر فیض رسانی کے ساتھ ابھی قرآن کی ضرورت ثابت نہ ہوئی ؟

یہ یاد رہے کہ قرآن نے بڑی صفائی سے اپنی ضرورت ثابت کی ہے - قرآن صاف کہتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا - یعنے اس بات کو جان لو کہ زمین

مرگئی تھی اور اب خدا نئے سرے اُسکو زندہ کرنے لگا ہے - تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قرآن کے زمانہ قرب نزول میں ہر ایک قوم نے اپنا چال چلن بگاڑا ہوا تھا - پادری فنڈل مصنف میزان الحق باوجود اسقدر تعصب کے جو اُسکے رگ و ریشہ میں بھرا ہوا تھا میزان الحق میں صاف گواہی دیتا ہے کہ قرآن کے نزول کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ کا چال چلن بگڑا ہوا تھا اور اُنکی حالتیں خراب ہو رہی تھیں اور قرآن کا آنا انکے لئے ایک تنبیہ تھی" - مگر اس نادان نے باوجود یکہ یہ تو اقرار کیا کہ قرآن اُسوقت آیا جبکہ یہود و نصاریٰ کا چال چلن بہت خراب ہو رہا تھا لیکن پھر بھی یہ جھوٹا عذر پیش کر دیا کہ خدا تعالیٰ کو ایک جھوٹا نبی بھیجکر یہود و نصاریٰ کو متنبہ کرنا منظور تھا - مگر یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے کیا ہم اللہ جلشانہ کیطرف یہ خراب عادت منسوب کر سکتے ہیں کہ اُسنے لوگوں کو گمراہی اور بدچلنی میں پاکر یہ تدبیر سوچی کہ اور بھی گمراہی کے سامان اُنکے لئے میسّر کرے اور کروڑہا بندگان خدا کو اپنے ہاتھ سے تباہی میں ڈالے - کیا غلبۂ شدائد اور مصائب کے وقت خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں یہی عادت اُسکی ثابت ہوتی ہے؟ افسوس کہ یہ لوگ دنیا سے محبت کر کے کیسے آفتاب پر تھوک رہے ہیں - ایک ناچیز انسان کو خدا بھی کہتے ہیں اور پھر ملعون بھی - اور اُس عظیم الشان نبی کے وجود سے انکار کر رہے ہیں کہ جو ایسے وقت میں آیا جبکہ نوع انسان مردہ کیطرح ہو رہی تھی - اور کہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت کیا تھی - اے غافلو! اور دلوں کے اندھو! قرآن جیسے ضلالت کے طوفان کیوقت میں آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت میں نہیں آیا اُسنے دُنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی - اور گمراہ پایا اور ہدایت دی - اور مُردہ پایا اور جان عطا فرمائی - تو کیا ابھی ضرورت ثابت ہونی میں کچھہ کسر رہگئی؟ اور اگر یہ کہو کہ توحید تو پہلے بھی موجود تھی قرآن نے نئی چیز کونسی دی؟ تو اس سے اور بھی تمہاری عقل پر رونا آتا ہے میں ابھی لکھہ چکا ہوں کہ توحید پہلی کتابوں میں ناقص طور پر تھی اور تم ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ کامل تھی - ماسوا اسکے توحید دلوں سے بکلّی گم ہو گئی تھی قرآن نے اُس توحید کو پھر یاد دلایا اور اُسکو کمال تک پہونچایا - قرآن کا نام اسی لئے ذِکْر ہے کہ وہ یاد دلانیوالا ہے - ذرہ آنکھہ کھول کر سوچو کہ کیا توریت نے جو کچھہ توحید کے بارےمیں بیان کیا تھا وہ ایک ایسی نئی بات تھی جو پہلے نبیوں کو اُسکی خبر نہیں تھی - کیا یہ سچ نہیں کہ سب سے پہلے آدم کو اور پھر شیث اور نوح اور ابراہیم اور دوسری رسولونکو جو موسیٰ سے پہلے

آئیے توحید کی تعلیم ملی تھی؟ پس یہ توریت پر بھی اعتراض ہے کہ اُسنے نئی چیز کونسی پیش کی۔ اے کج دل قوم! خدا روز روز نیا نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ کے وقتمیں وہی خدا تھا جو آدم اور شیث اور نوح اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور یوسف کیوقتمیں تھا۔ اور توریت نے وہی توحید کے بارے میں بیان کیا جو پہلے نبی کرتے آئے۔

اب اگر یہ سوال ہو کہ کیوں توریت نے اُسی پورانی توحید کا ذکر کیا تو اسکا جواب یہی ہے کہ خدا کی ہستی اور وحدانیت کا مسئلہ توریت سے شروع نہیں ہوا بلکہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ ہاں بعض زمانوں میں ترک عمل کیوجہ سے اکثر لوگوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ضرور ہوتا رہا ہے۔ پس خدا کی کتابوں اور خدا کے نبیوں کا یہ کام تھا کہ وہ ایسے وقتوں میں آتے رہے ہیں کہ جب اس مسئلہ توحید پر لوگونکی توجہ کم رہ گئی ہو۔ اور طرح طرح کے شرکوں میں وہ مبتلا ہو گئے ہوں یہی مسئلہ دنیا میں ہزاروں دفعہ صیقل ہوا اور ہزاروں دفعہ پھر زنگ خوردہ کی طرح ہو کر لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا۔ اور جب چھپ گیا تو پھر خدا نے اپنے کسی بندہ کو بھیجا تا نئے سرے اُسکو روشن کر کے دکھلائے۔ اسی طرح دُنیا میں کبھی ظلمت کبھی نور غالب آتا رہا۔ اور ہر ایک نبی کی شناخت کا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا معیار ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس وقت آیا اور کسقدر اصلاح اُسکے ہاتھ سے ظہور میں آئی۔ چاہیئے کہ حق طلبی کی راہ سے اسی بات کو سوچیں اور شریروں اور متعصب لوگوں کے پُرخیانت اقوال کیطرف توجہ نہ کریں اور ایک صاف نظر لیکر کسی نبی کے حالات کو دیکھیں کہ اُسنے ظہور فرما کر اس زمانہ کے لوگوں کو کس حالتمیں پایا اور پھر اُسنے اُن لوگونکی کے عقائد اور چال چلن میں کیا تبدیلی کر کے دکھلائی تو اس سے ضرور پتہ لگ جائیگا کہ کون نبی اشد ضرورت کیوقت آیا اور کون اُس سے کمتر۔ نبی کی ضرورت گنہگاروں کے لئے بعینہٖ ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ طبیب کی ضرورت بیماروں کے لئے۔ اور جیسا کہ بیماروں کی کثرت ایک طبیب کو چاہتی ہے ایسا ہی گنہگاروں کی کثرت ایک مصلح کو۔

اب اگر کوئی اس قاعدہ کو ذہن میں رکھکر عرب کی تاریخ پر نظر ڈالے کہ عرب کے باشندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے تو بلاشبہ وہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت قدسی اور تاثیر قوی اور افاضہ برکات میں سب نبیوں سے اوّل درجہ سمجھے گا۔ اور اسی بنا پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی ضرورت کو دوسری تمام کتابوں

اور نبیوں کی ضرورت سے بدیہی الثبوت یقین کریگا۔ مثلاً یسوع نے دنیا میں آکر دنیا کی کس ضرورت کو پورا کیا؟ اور اسکا ثبوت کیا ہے کہ اُسنے کوئی ضرورت پوری کی؟ کیا یہودیوں کے اخلاق اور عادت اور ایمان میں کوئی بھاری تبدیلی کر دی یا اپنے حواریوں کو تزکیہ نفس میں کمال تک پہونچا دیا؟ بلکہ ان پاک اصلاحوں میں سے کچھہ بھی ثابت نہیں۔ اور اگر کچھہ ثابت ہی تو صرف یہی کہ چند آدمی طمع اور لالچ سے بھرے ہوئے اُسکے ساتھہ ہو گئے۔ اور انجام کار اُنہوں نے بڑی قابل شرم بے وفائیاں کہلائیں اور اگر یسوع نے خودکشی کی تو میں اس سے زیادہ ہرگز تسلیم نہیں کرونگا کہ ایک ایسی بیوقوفی کی حرکت اُس سے صادر ہوئی جس سے اُسکی انسانیت اور عقل پر ہمیشہ کے لئے داغ لگ گیا ایسی حرکت جسکو انسانی قوانین بھی ہمیشہ جرائم کے نیچے داخل کرتے ہیں کیا کسی عقلمند سے صادر ہو سکتی ہے؟! ہرگز نہیں۔ پس ہم پوچھتے ہیں کہ یسوع نے کیا سکھلایا اور کیا دیا؟ کیا وہ لعنتی قربانی جسکا عقل اور انصاف کے نزدیک کوئی بھی نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔

یاد رہے کہ انجیل کی تعلیم میں کوئی نئی خوبی نہیں بلکہ یہ سب تعلیم توریت میں پائی جاتی ہی اور اسکا ایک بڑا حصہ یہودیوں کی کتاب طالمود میں ابتک موجود ہے۔ اور یہودی فاضل ابتک روتے ہیں کہ ہماری پاک کتابوں سے یہ فقرے چورائے گئے ہیں۔ چنانچہ حال میں جو ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس آئی ہے اُسنے اسی بات کا ثبوت دینے کے لئے کئی ورق لکھے ہیں اور بڑے زور سے اسناد پیش کئے ہیں کہ یہ فقرات کہاں کہاں سے چورائے گئے ہیں جنے یہ کتابیں صرف میاں سراج الدین کے لئے منگوائی تھیں۔ مگر اُنکی بدقسمتی ہے کہ وہ دیکھنے سے پہلے چلے گئے۔ محقق عیسائی اسبات کو قبول کرتے ہیں کہ درحقیقت انجیل یہودیوں کی کتابوں کے اُن مضامین کا ایک خلاصہ ہی جو حضرت مسیح کو پسند آئی۔ لیکن بالآخر یہ کہتے ہیں کہ مسیح کے دنیا میں آنیسے یہ غرض نہیں تھی کہ کوئی تعلیم لائے بلکہ اصل مطلب تو اپنے وجود کی قربانی دینا تھا یعنی وہی لعنتی قربانی جسکے بار بار کے ذکر سے میں اس رسالہ کو پاک رکھنا چاہتا ہوں۔ غرض عیسائیوں کو یہ دھوکا لگا ہوا ہے کہ شریعت توریت تک کمل ہو چکی اس لئے یسوع کوئی شریعت لیکر نہیں آیا بلکہ نجات دینے کے سامان لیکر آیا اور قرآن نے ناحق پھر ایسی شریعت کی بنیاد ڈالدی جو پہلے مکمل ہو چکی تھی۔ یہی دھوکہ عیسائیوں کے ایمان کو کھا گیا۔ مگر یاد رہے کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان سہو و نسیان سے مرکب ہے اور نوع انسان میں خدا کے

احکام عملی طور پر ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتے۔ اس لئے ہمیشہ نئے یاد دلانے والے اور قوت دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن قرآن شریف صرف انہی دو ضرورتوں کیوجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ پہلی تعلیموں کا درحقیقت متمم اور مکمل ہے۔ مثلاً توریت کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے زیادہ تر قصاص پر ہے اور انجیل کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے عفو اور صبر اور درگذر پر ہے اور قرآن ان دونوں صورتوں میں محل شناسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک باب میں توریت افراط کی طرف گئی ہے اور انجیل تفریط کیطرف اور قرآن شریف وسط کی تعلیم کرتا اور محل اور موقعہ کا سبق دیتا ہے۔ گو نفس تعلیم تینوں کتابوں کا ایک ہی ہے مگر کسی نے کسی پہلو کو شدّ و مد کے ساتھ بیان کیا اور کسی نے کسی پہلو کو۔ اور کسی نے فطرت انسانی کے لحاظ درمیانہ راہ لیا جو طریق تعلیم قرآن ہے اور چونکہ محل اور موقعہ کا لحاظ رکھنا ہی حکمت ہے سو اس حکمت کو صرف قرآن شریف نے سکھلایا ہے۔ توریت ایک بیہودہ سختی کی طرف کھینچ رہی ہے* اور انجیل ایک بیہودہ عفو پر زور دے رہی ہے اور قرآن شریف وقت شناسی کی تاکید کرتا ہے۔ پس جسطرح پستان میں آکر خون دودھ بنجاتا ہے اسیطرح توریت اور انجیل کے احکام قرآن میں آکر حکمت بنگئے ہیں۔ اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا تو توریت اور انجیل اُس اندھے کے تیر کی طرح ہوتیں کہ کبھی ایک آدھ دفعہ نشانہ پہ لگ گیا اور سو دفعہ خطا گیا غرض شریعت قصوں کیطور پر توریت سے آئی اور مثالوں کی طرح انجیل سے ظاہر ہوئی اور حکمت کے پیرایہ میں قرآن شریف سے حق اور حقیقت کے طالبوں کو ملی۔

سو توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کرینگی۔ اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورۃ کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہیں یعنی سورۃ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آئتیں ہیں اور جس ترتیب انسب اور ترتیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورۃ میں صدہا حقایق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتیں درج ہیں انکو موسیٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل میں سے نکالنا چاہیں تو گو ساری عمر کوشش کریں تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی۔ اور یہ بات لاف وگزاف نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ خدا کا کلام خدا کی طاقتوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اُسکی مصنوعات عجائب قدرت سے ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً آسمان پر ہزارہا ستارے

* یہ سختی اور نرمی اپنے اپنے زمانہ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب تعلیم تھی مگر حقیقی تعلیم نہیں تھی جو قابل ترک نہ ہو۔ منہ

ہیں - اب اگر کوئی بیوقوف چند ستاروں کی طرف اشارہ کرکے کہدے کہ اُنکی کیا ضرورت ہے لہذا یہ خدا تعالیٰ کیطرف سے نہیں ہیں یا چند بوٹیوں یا پتھروں یا جانوروں کا نام لیکر کہدے کہ انکے وجود کے بغیر دوسری بوٹیوں وغیرہ سے کام چلسکتا ہے - اس لئے یہ خدا تعالیٰ کیطرف سے نہیں ہیں تو ایسا قائل بجز دیوانہ یا احمق کے اور کون ہو سکتا ہے -

یہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ قرآن اُن تمام کمالات کا جامع ہے جنکی انسان کو تکمیل نفس کیلئے حاجت ہے - اور توریت کی قرآن کے ساتھ یہ مثال ہے کہ جیسے ایک مسافر خانہ تھا وہ بڑی بڑی آندھیوں اور زلزلوں کے باعث سے گر پڑا اور بجائے اُس مسافر خانہ کے ایک اینٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور پاخانہ کی اینٹیں باورچی خانہ میں اور باورچی خانہ کی پاخانہ میں جا پڑیں اور سب مکان زیر و زبر ہو گیا پس اس سرائے کے مالک کو مسافروں کے حال پر رحم آیا سو اُس نے فی الفور بجائے اُس مسافر خانہ کے ایک ایسا عمدہ اور آرام بخش مسافر خانہ طیار کیا جو اُس پہلے سے بہتر اور مسافروں کے لئے نہائت آرام بخش مکانات اپنے اپنے قرینہ سے اسمیں موجود تھے اور کسی ضرورت کے مکان کی کمی نہیں تھی اور مالک نے اس آخر الذکر مسافر خانہ کی تعمیر میں کچھ تو وہی اینٹیں پہلے مسافر خانہ کی لے لیں اور کچھ زیادہ اینٹیں اور لکڑی وغیرہ مصالح بہم پہونچایا جو عمارت کو کامل طور پر کافی ہو سکتا تھا - سو قرآن شریف وہی دوسرا مسافر خانہ ہے جسکی آنکھیں ہوں دیکھے !!

اسجگہ یہ اعتراض بھی دور کر دینے کے قابل ہے کہ جسحالتمیں حقیقی اور کامل تعلیم یہی ہے جسمیں محل اور موقعہ کی رعایت اور ہر ایک نکتہ معرفت کا استیفاء کے ساتھہ بیان ہو تو کیا سبب ہے کہ توریت اور انجیل دونوں اس سے خالی رہیں اور قرآن نے ان دونوں باتوں کو کمال تک پہونچایا تو اسکا جواب یہی ہے کہ یہ توریت اور انجیل کا قصور نہیں ہے بلکہ قوموں کی استعداد کا قصور ہے یہودی لوگ جنسے پہلے حضرت موسیٰ کو واسطہ پڑا وہ چار سو برس تک فرعون کی غلامی میں رہے تھے اور ایک مدت دراز تک ظلم کے تختہ مشق رہکر عدل اور انصاف کی حقیقت سے بیخبر ہو گئے تھے یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ وقت جو مؤدب اور آموزگار کے حکم میں ہوتا ہے عادل ہو تو رعایا کی دلپر عدل کا پرتوہ پڑتا ہے اور طبعاً وہ بھی خلق عدل کیطرف مائل ہو جاتی ہیں اور تہذیب اور شائستگی انمیں پیدا ہو کر عادلانہ صفات اپنا جلوہ دکھاتی ہیں - لیکن اگر بادشاہ

ظالم ہو تو رعایا بھی اُس سے ظلم اور تعدی کا سبق سیکھتی ہے اور اکثر انکی صفت عدل سے محروم ہوتی ہے۔ پس یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا کہ وہ لوگ ایک مُدت دراز تک فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی رعایا رہکر اور طرح طرح کے ظلم اُٹھاکر عدل کی کیفیت سے بالکل غافل ہو گئے۔ سو حضرت موسیٰ کا فرض یہ تہا کہ انکو سب سے پہلے عدل کا سبق دیں اس لئے توریت میں عدل کی حفاظت کیلئے بڑے شد و مد سے آیات پائی جاتی ہیں۔ ہاں رحم کی آیات کا بھی توریت میں پتہ ملتا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایسی آئتیں بھی عدل کے حدود کی نگہداشت کے لئے اور ناجائز جذبات اور بیجا کینوں کے روکنے کے لیے بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور ہر جگہ اصل مدعا قوانین عدل اور انصاف کی نگہداشت ہے لیکن انجیل پڑھنے سے یہ مدعا معلوم نہیں ہوتا بلکہ انجیل میں عفو اور ترک انتقام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور جب ہم انجیل کو تدبر اور عمیق نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اُس کے سلسلہ عبارت سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اُس کتاب کا لکھنے والا اپنے مخاطبین کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ لوگ طریق مروت اور صبر اور ترک انتقام سے بالکل دور اور مہجور ہیں اور چاہتا ہے کہ اُنکے ایسے دل ہو جائیں کہ انتقام لینے کے حریص نہ ہوں اور صبر اور برداشت اور عفو اور درگذر اپنی عادت کریں۔ اسکا یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوقتمیں یہودیوں کی اخلاقی حالت میں بہت فتور آگیا تہا۔ اور مقدمہ بازی اور کینہ کشی میں انتہا تک پہونچگئے تھے۔ اور اس بہانہ سے کہ ہم قانون عدل کے حامی ہیں رحم اور درگذر کی خصلتیں بالکل انمیں سے دور ہو گئی تہیں۔ سو انجیل کی نصیحتیں قانون مختص الزمان کیطرح یا قانون مختص القوم کیطرح انکو سنائی گئی تھیں۔ مگر یہ واقعی قانون کی تصویر نہ تھی اس لئے قرآن نے آکر اسکو دور کر دیا۔

جسوقت ہم قرآن کو غور سے دیکھتے ہیں اور صاف دل سے اسکے مقصد کے گہراؤ تک چلے جاتے ہیں تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن نے نہ توریت کی طرح انتقام اور سختی پر ایسا زور ڈالا ہے کہ جیسا کہ توریت کی لڑائیوں اور قانون قصاص سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ انجیل کیطرح یکدفعہ عفو اور صبر اور درگذر کی تعلیم پر گر پڑا ہے بلکہ بار بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے یعنی یہ حکم دیتا ہے کہ جو امر عقل اور شرع کے رو سے بہتر اور محل پر ہو اُسکو بجالاؤ اور جسپر عقل اور شرع کا اعتراض ہو اور منکرات میں سے ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ۔ سو قرآن کو دیکھنے سے ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے قوانین اور حدود اور اوامر کو حلم کے رنگ میں ہمارے دلوں میں جمانا چاہتا ہے

کیونکہ وہ شخصی امر اور نہی کے زندان میں ہمیں محبوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنی پاک شریعت کو قواعد کلیہ کیطور پر بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً وہ ایک کلام کلی کیطور پر حکم فرماتا ہے کہ تم معروف کو بجالاؤ اور منکر سے دستکش ہو جاؤ۔ سو یہ دو کلمے یعنے معروف اور منکر ایسے جامع کلمے ہیں جو شریعت کے قوانین کو علمی رنگ میں لے آتے ہیں اور اس تعلیم سے ہر ایک محل میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ حقیقی نیکی کیا ہے مثلاً اسوقت جو زید نے ہمارا ایک گناہ کیا ہے تو اسکو مارنا بہتر ہے یا عفو کرنا۔ اور ایک سائل جو ہم سے مثلاً ہزار روپیہ اس غرض سے مانگتا ہے کہ وہ اس روپیہ سے اپنے لڑکے کی دہوم دھام سے شادی کرے اور آتشبازی اور گانے والی عورتیں اور دوسرے باجوں کیساتھ اپنے خاندان کے رسوم کے موافق اس رسم کو ادا کرے۔ تو گو ہم ہزار روپیہ اسکو دیسکتے ہیں مگر ہمیں امر معروف اور نہی منکر کے قاعدہ کے لحاظ سے سوچ لینا چاہیئے کہ ایسی سخاوت سے ہم کس شخص کی مدد کرتے ہیں غرض اسی طرح قرآن نے ہمارے دین اور دنیا کی بہبودی کے لئے ہمارے ہر ایک کار خیر میں محل اور موقعہ کی قید لگا دی ہے۔

اسجگہ ایک اور اعتراض کا دفع کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے توحید کے منوانے کے لئے یہود وغیرہ اقوام کے ساتھ لڑائیاں کی ہیں۔

سو واضح ہو کہ اسلام نے توحید منوانے کے لئے لڑائیاں ہرگز نہیں کیں بلکہ اسلام کے مخالف خود اپنی شرارتوں سے لڑائیوں کے محرک ہوئے۔ بعض نے مسلمانوں کے قتل کرنے کے لئے خود پہلے پہل تلوار اُٹھائی بعض نے انکی مدد کی۔ بعض نے اسلام کی تبلیغ روکنے کیلئے بیجا مزاحمت کی۔ سو ان تمام موجبات کی وجہ سے مفسدین کی سرکوبی اور سزا اور شر کی مدافعت کے لئے خدا تعالیٰ نے اُن ہی مفسدوں کے مقابل پر لڑائیوں کا حکم کیا۔ اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ ۱۳ برس تک اسوجہ سے مخالفوں سے لڑائی نہیں کی کہ اسوقت تک پوری جمعیت حاصل نہیں ہوئی تھی یہ محض ظالمانہ اور مفسدانہ خیال ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تیرہ ۱۳ برس تک اُن ظلموں اور خونریزیوں سے باز رہتے جو مکہ میں اُنسے ظہور پذیر ہوئے اور پھر آپ منصوبہ کر کے یہ تجویز نکلتے کہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہیئے اور یا وطن سے نکال دینا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بغیر حملہ مخالفین کے، مدینہ کی طرف چلے جاتے تو ایسی بدظنیوں کی کوئی جگہ بھی ہوتی لیکن یہ واقعہ تو ہمارے

مخالفوں کو بھی معلوم ہے کہ تیرہ برس کے عرصہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی ہر ایک سختی پر صبر کرتے رہے اور صحابہ کو سخت تاکید تھی کہ بدی کا مقابلہ نکیا جائے چنانچہ مخالفوں نے بہت سے خون بھی کئے اور غریب مسلمانوں کو زدوکوب کرنے اور خطرناک زخم پہونچانے کا تو کچھہ شمار نہ رہا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لئے حملہ کیا۔ سو ایسے حملہ کے وقت خدا نے اپنے نبی کو شرّ اعدا سے محفوظ رکھکر مدینہ میں پہونچادیا اور خوشخبری دی کہ جنہوں نے تلوار اُٹھائی وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جائینگے۔ پس ذرا عقل اور انصاف سے سوچو کہ کیا اس روئداد سے یہہ نتیجہ نکلسکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے پاس کچھہ جمیعت لوگوں کی ہوگئی تو پھر لڑائی کی نیّت جو پہلے سے دلمیں پوشیدہ تھی ظہور میں آئی۔ افسوس ہزار افسوس کہ تعصب مذہبی کے روسے عیسائی دین کے حامیوں کی کہانتک نوبت پہونچگئی ہے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ مدینہ میں جاکر جب مکہ والونکے تعاقب کیوقت بدر کی لڑائی ہوئی جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے تو کونسی جمیعت پیدا ہوگئی تھی۔ اسوقت تو کل تین سو تیرہ آدمی مسلمان تھے اور وہ بھی اکثر نوعمر ناتجربہ کار جو میدان بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ پس سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اس قدر آدمیوں پر بھروسہ کرکے عرب کے تمام بہادروں اور یہود اور نصاریٰ اور لاکھوں انسانوں کی سرکوبی کے لئے میدان میں کسی کا نکلنا عقل فتویٰ دیسکتی ہے؟!!! اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نکلنا اُن تدبیروں اور ارادوں کا نتیجہ نہیں تھا جو انسان دشمنوں کے

ہلاک کرنے اور اپنی فتحیابی کے لئے سوچتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم سے

کم تیس چالیس ہزار فوج کی جمیعت حاصل کرلینا ضروری تھا

اور پھر اس کے بعد لاکھوں انسانوں کا مقابلہ

کرنا۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ یہ لڑائی مجبوری

کے وقت خدا تعالے کے حکم سے

ہوئی تھی نہ ظاہری

سامان کے

بھروسہ پر

حضرت مسیح کا دس گمشدہ اسرائیلی قوموں کی طرف جانا

انجیلی شہادتیں نمبر ۳

اس عنوان کے نیچے گذشتہ دو نمبروں میں انجیل کی قصص کی بنا پر ہم نے یہ ثابت کیا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچائے گئے۔ اگرچہ ان مضامین کو شائع ہوئے دو ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن عیسائیوں کی طرف سے انکی تردید میں ہم نے سوائے اس ریمارک کے اور کچھ نہیں دیکھا کہ اس قسم کے استنباط انجیلوں کے اصلی اور یکساں مفہوم اور منشاء کے خلاف ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ اناجیل کا یہ فرضی اصلی منشار سوائے اس کے کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ یہ عیسائیوں کا دلی اعتقاد ہے۔ بجائے خود قصص اناجیل اسقدر متضاد بیانات کا مجموعہ ہیں کہ انکا ایک ہی مفہوم ہونا تو الگ رہا اُنکے پڑھنے سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی شخص کے قصہ کو بیان کر رہی ہیں یا مختلف اشخاص کے۔ جسقدر رکیک تاویلوں سے چاہو الفاظ کے معنے کرنے میں مدد لو لیکن پھر بھی تمام انجیلوں کے قصوں کو ایک ہی شخص کا مکمل قصہ ثابت کرنا محال ہے۔ ایسی صورت میں عقلمند کا فرض ہے کہ بیہودگیوں کو رد کر کے یسوع کی زندگی کی بنا ان واقعات کو ٹھیرائے جو تاریخی طور پر صحیح معلوم ہوں اور اگر وہ یہ نہ کرے گا تو پھر اُسے سارے قصہ کو ہی غلط اور بے بنیاد ٹھیرا کر رد کرنا پڑیگا۔ اس سے پہلے ہم دکھا چکے ہیں کہ انجیل میں ایسے واقعات اور بیانات ایک دو نہیں بلکہ بکثرت ہیں جنسے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا اب ہم عیسائیوں ہی سے پوچھتے ہیں کہ ان تمام انجیلی فقروں کو کیا کریں جھوٹے کہیں یا وضعی ٹھیرائیں یا تحریف کا نام دیں۔ مثلاً انجیل کی اس پیشگوئی کی نسبت عیسائیونکا کیا اعتقاد ہے جس میں حضرت مسیح کہتے ہیں کہ یونس نبی کے نشان کے سوائے کوئی نشان یہودیوں کو نہیں دیا دیگا۔ اگر اس پیشگوئی کو جھوٹا نہ ٹھیرایا جائے تو اس نتیجہ سے کسی طرح گریز ہی نہیں ہو سکتی کہ جسطرح یونس زندہ مچھلی کے پیٹ میں ڈالا گیا اُسی طرح مسیح زندہ قبر کے اندر رکھا گیا

عیسائی مذہب کے حامیوں نے بہت ساری کوششیں کی ہیں کہ اس مشکل سے بچنے کی کوئی راہ نکل آوے مگر انکی سب کوششیں لاحاصل ثابت ہوئی ہیں۔ پھر مثلاً پیلاطوس کی بیوی کے اس خواب کی نسبت کیا رائے لگائی جاوے جو متی ۲۷/۱۹ میں مذکور ہے۔ کیا اسکو شیطانی سمجھا جاوے یا اس سارے قصے کو ہی جھوٹا مانا جاوے۔ ان دونوں باتوں کو تو کوئی عیسائی تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں ٹھیک نہیں تو پھر اس خواب کی غرض اور مقصد کیا ہے۔ کیا یہ بدیہی بات نہیں کہ اس خواب کا مقصد مسیح کو صلیب سے نجات دینا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ کا یہ منشار نہیں تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پائے تو کیوں اسنے پیلاطوس کو متنبہ کرنے کے لئے اسکی عورت کے پاس فرشتہ بھیجا اور اسطرح پر نعوذ باللہ ایک لغو حرکت کی؟ اور اگر اسکا مقصد واقعی یسوع کو چھوڑانا ہی تھا جیسا کہ خواب سے صاف طور پر پایا جاتا ہے تو کیا کوئی خدا کے علاوہ اور اس سے مقتدر بھی ہستی موجود ہے جس نے خدا تعالیٰ کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیا۔ مسیح کی پیدایش کے متعلق جو قصہ انجیل میں مذکور ہے وہاں بھی ایک خواب کے ذریعہ ہی متنبہ کر کے خدا تعالیٰ نے مسیح کو قتل کئے جانے سے بچایا تھا۔ اب ان دونوں خوابوں کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ پہلی خواب میں منشار ایزدی یہ تھا کہ مسیح کی جو اسوقت بچہ تھا جان بچ جائے ایسا ہی دوسرے خواب میں بھی الٰہی منشار اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچایا جاوے۔ اگر اس خواب کا یہ منشار نہیں تو بہتر ہے کہ عیسائی صاحبان اس خواب کے ذکر کو ایک جھوٹا قصہ ٹھہرا کر انجیل سے خارج کر دیں۔ پھر تیسرا امر یہ ہے کہ باغ میں جو یسوع کی دردناک دعا کا قصہ انجیل میں مذکور ہے اسکو کیونکر رد کیا جاتا ہے۔ شدت غم کی حالت میں جو اسے موت کے برابر معلوم ہوتا تھا حضرت مسیح بڑی عاجزی سے خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گرے اور بہت خضوع و خشوع سے رو رو کر یہ دعائیں مانگیں کہ اے میرے قادر خدا اگر ممکن ہے تو تو یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ کون جانتا ہے کہ اس وقت اسکے دل کی کیا حالت تھی جب وہ غموں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا نہایت درد کے ساتھ ساری رات چلاتا رہا۔ سوتے ہوئے حواری اسکی دردناک چیخوں سے کبھی کبھی چونک پڑتے اسکا دل اس غم کے نیچے پھوٹ پھوٹ کر بہ نکلتا اور اسکی چیخیں اس دردناک حالت میں دعا کرتے وقت ایسے زور سے نکلتی تھیں کہ حواری جو بہت دور سوئے پڑے تھے وہ

وہ بھی کبھی کبھی انسے چونک اُٹھتے۔* اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کسقدر اُسکو غم تھا اور کیسا سچا جوش اُسکے دل میں تھا کہ خدا تعالیٰ اسے صلیب کی لعنتی موت سے بچالے۔ عقلمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ خدا کا ایک مقبول نبی بڑے لمبے درد کی حالت میں ساری رات ایک لعنتی موت سے بچنے کے لیے چیختا چلاتا رہے اور خدائے کریم و رحیم اسپر کچھ بھی رحم نہ کرے اور اسکی دعا کو نہ سنے۔ اور اگر حضرت مسیح کی دعا ایسی دردناک حالتمیں بھی خدا تعالے نے قبول نہیں کی تو عیسائیوں کو اپنی دعاؤں کی قبولیت سے بالکل مایوس رہنا چاہیئے۔ بلکہ خود حضرت مسیح کا دعا پر اسقدر زور دینا بالکل لغو تھا اگر اُسکی اپنی دعا سب سے بھاری مصیبت کیوقت مردود ہوئی تھی۔ ان امور کے علاوہ عبرانیوں ۵/۷ میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی یہ دعا قبول ہو گئی تھی۔ لیکن اگر مسیح صلیب پر مرا تھا تو دعا کے متعلق یہ تمام قصے جھوٹے ہونے چاہیئے۔

یہ چند باتیں مثال کے طور پر ہم نے دوبارہ بیان کی ہیں۔ انکے علاوہ مسیح کا صلیب پر نہایت تھوڑا عرصہ رہنا اور صلیب کے بعد کے واقعات جو انجیلوں میں مذکور ہیں انسے سوای اسکے اور کوئی نتیجہ نکالا ہی نہیں جا سکتا کہ مسیح صلیب پر ہرگز نہیں مرا اور عیسائیت کے عذر خواہ جو اپنے نزدیک اناجیل کا اصلی مفہوم اس نتیجہ کے مخالف سمجھے بیٹھے ہیں وہ دراصل ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو صدیوں سے انکے دلمیں جاپذیر ہو گیا ہے۔

ساری تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں ایک شخص دو یا تین گھنٹے صلیب پر لٹکائے جانے سے مر گیا ہو اور برعکس اسکے ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ ایک یا دو دن

---

* انجیل میں اس دعا کا لکھا جانا اسی صورت میں ٹھیک ہو سکتا ہے کیونکہ اس موقعہ پر حضرت مسیح اپنے سارے مریدوں کو چھوڑ کر دور چلا گیا تھا (متی ۲۶/۳۶) اور تین حواری جنکو ساتھ لے گیا تھا وہ بھی گولی کی مار پر سوئے پڑے تھے (لوقا ۲۲/۴۵)۔ لیکن اناجیل میں حضرت مسیح کی اس دعا کا لکھا جانا صاف اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح کی دردناک آہوں سے جو دعا کیوقت وہ کرتے ہوں گے کبھی کبھی حواری جاگ اُٹھتے ہوں گے اور اس طرح پر اسکی دعا کے الفاظ سن لئے ہونگے جو بعد ازاں اُنکی روایت پر انجیل میں درج ہوئے۔ منہ

۱

تک بھی صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض اشخاص جانبر ہو گئے (فاضل مورخ جوزیفس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں اسنے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر (کم از کم ایک دن سے زیادہ عرصہ سے جیساکہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانیکے لئے درخواست کی اور وہ درخواست قبول ہو کر مناسب علاج سے تینوں میں سے ایک کی جان بچگئی۔ درحقیقت صلیب سے موت اسقدر آہستہ واقع ہوتی ہے کہ عقلمند انسان صرف اسی ایک واقعہ پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر دو یا تین گھنٹے سے زیادہ نہیں رہا غور کرنیسے اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ مسیح کے صلیب پر مرنیکا مقدمہ ایک بالکل بے بنیاد اور غلط اعتقاد ہے۔ اس خیال کا بے بنیاد ہونا خود اناجیل سے بھی ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ یسوع اور دونوں چوروں کے لئے صلیب کی سزا کے بعد ٹانگیں توڑنے کی سزا کا بھی حکم ہوا تھا جسکی وجہ صرف یہ تھی کہ اس تھوڑے سے عرصہ کو جو وہ صلیب پر رہے تھے موت کے لیے بالکل ناکافی خیال کیا گیا اور اسلئے ایک دوسری تجویز ایسی سزا کی گئی جس سے سچ مچ موت واقعہ ہو جاوے کیونکہ ٹانگوں کے توڑنے کی سزا اکثر اوقات مجرموں کے مارنے کے لئے ایک علیحدہ سزا کے طور پر دیجاتی تھی اور مسیح اور چوروں پر صلیب کے بعد بھی اس سزا کے وارد کئے جانیکا حکم صاف بتاتا ہے کہ صلیب کو بہ سبب تھوڑا وقت ہونیکے ناکافی خیال کیا گیا اور ایک اور تکلیف وہ صورت موت کی تجویز کی گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ٹانگوں کا توڑنا اس طور پر ہوا کرتا تھا کہ چوکلے سے لے کر پاؤں تک کی تمام ہڈیاں ہتھوڑے کے ساتھ توڑی جاتی تھیں۔ اب جہاں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ ٹانگیں توڑنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ صلیب پر اسقدر تھوڑے عرصہ کے لئے مسیح اور دونوں چور رکھے گئے تھے کہ اس سے موت واقعہ نہ ہو سکتی تھی۔ اسجگہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ چوروں کی ٹانگیں تو توڑی گئیں مگر مسیح کی نہیں توڑی گئیں اور یہ بہانہ کر دیا گیا کہ مسیح مر چکا ہے اس لئے اسکی ٹانگیں توڑنے کی حاجت نہیں ہے مگر جبکہ مسیح چوروں سے زیادہ عرصہ صلیب پر نہیں رہا اور صلیب کا اثر اسقدر کم مانا گیا کہ ایک اور ایسی سخت سزا انکے لئے تجویز کرنی پڑی جو بغیر صلیب کے بھی موت کا ذریعہ ہو سکتی تھی تو کس طرح پر ہم اسکو تسلیم کر سکتے ہیں کہ مسیح صلیب پر ہی مر چکا تھا۔ بہلے کے زخم کا قصہ رہا سہا بھی اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ مسیح میں جب وہ صلیب سے اتارا گیا جان باقی تھی کیونکہ لکھا ہے کہ زخم سے پانی اور لہو بہا۔

باقی بہنے سے اگر یہ منشا رہے کہ واقعی لہو اور پانی دو الگ الگ سیال نکلے تھے تو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ پانی صرف معجزہ بنانیکی خاطر بہایا گیا ہی اگر زخم اسقدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہونچ جاتا تو بھی پانی کا نکلنا ممکن نہ تھا سوائے اس کے کہ مرض استسقا رہوتا مگر ہم خیال نہیں کرتے کہ انجیل نویس کا یہ مطلب ہو۔ البتہ لہو کا نکلنا صاف اس امر پہ دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تہا کیونکہ مرنے کے بعد معاً خون جم جاتا ہے۔ مگر خون کا سیال ہونا اس امر کا یقینی ثبوت ہو کہ جب مسیح صلیب پر سے اُتار اگیا تو وہ بھی چوروں کیطرح زندہ ہی تہا۔

اس مشکل سے نجات ڈھونڈنے کے لئے عذر خواہان مذہب عیسائی نے بہت سے حیلے تراشے ہیں منجملہ اُنکے ایک یہ بھی ہے کہ جسطرح چوروں کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے اُنکی ٹانگیں توڑی گئیں اسی طرح مسیح کی زندگی کا بہالے سے خاتمہ کیا گیا۔ یہ اصل واقعات کی خلاف بیانی ہے۔ سپاہیوں کو اسقدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ جسطرح چاہتے کسی کو مار ڈالتے اور اگر انکو ایک طریق سے مارنے کا حکم ہوتا تو اُسکی بجائے وہ خود ایک اور طریق اختیار کر لیتے۔ اُنکو تو یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے نہ واقعہ ہونے کے سبب تینونکی ٹانگیں توڑیں اور اس قانونی حکم کی بجائے وہ خود بخود کوئی دوسرا تجویزیہ نہ کر سکتے تھے۔ ہاں انجیل کے قصہ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی نہ توڑی گئیں اور اُسکے لیے ایک جھوٹا عذر کر دیا گیا۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سپاہیوں کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ مسیح مر چکا ہے۔ سکتہ یا غشی کی حالت اور حقیقی موت میں امتیاز کرنا اسقدر مشکل امر ہے کہ اُس زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کہا سکتا تہا کیونکہ اسوقت کی ڈاکٹری معلومات اسقدر وسیع نہ تھے لیکن انجیل نویس یہ چاہتے ہیں کہ بغیر چون و چرا کے ہم ایک جاہل پولیس کے آدمی کی رائے کو تسلیم کر لیں خواہ کیسی ہی مضبوط شہادت اُسکی تردید کر رہی ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک صلیب پر تو موت واقعہ نہ ہوئی تھی لیکن بہالے کا زخم ایسا کاری لگا تہا کہ دل تک پہونچگیا تہا اور اسی سے حضرت مسیح مر گئے تو اسکے لئے اناجیل سے کوئی شہادت نہیں ملتی۔ علاوہ ازیں انجیل میں تو یہ لکہا ہے کہ پہلو میں نیزہ چبھویا گیا تھا نہ یہ کہ عین دلکے مقام پر مارا گیا تہا اور نہ ہی یہ کہیں لکہا ہے کہ وہ زخم بڑا گہرا تہا در اصل اسطرح نیزہ کو عین دل کے مقام پہ مارنا کہ اس سے خون باہر کو نکلے بڑے ہنر کو چاہتا ہے اور محض ایک

جاہل سپاہی سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ انسانی بدن کی تشریح سے ایسا واقف ہو - ہاں جیسے پہلی صورت میں یہ بہانہ کر دیا گیا تھا کہ مسیح صلیب پر مر چکا ہے اس لیے ٹانگیں توڑنے کی ضرورت نہیں - اسی قسم کا یہ دوسرا عذر ہے کہ نیزہ کا زخم ایسا کاری تھا کہ مسیح کی ہلاکت کا باعث ہو گیا - لیکن جیسا کہ خون کے بہنے نے پہلے عذر کو جھوٹا ثابت کر دیا اور دکہا دیا کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا تہا اسیطرح پر مابعد کے واقعات نے اور کوئی ایسا یقینی طریق اختیار نہ کئے جانے نے جو واقعی موت کا باعث ہو سکتا یہ ثابت کر دیا کہ زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تھا اور اس سے بھی موت واقع نہیں ہوئی -

اس طرح پر ہم دیکھہ سکتے ہیں کہ جو واقعات اناجیل میں مذکور ہیں ان سے مسیح کی موت کی کوئی بھی شہادت نہیں ملتی - باقی رہے دوسرے تاریخی ذرائع جن پر ہم آگے چلکر غور کریں گے سو ان سے صاف اور یقینی شہادت مسیح کے صلیب سے بچ نکلنے کی ملتی ہے - کسی نامعلوم آدمی کا یہ بیان کہ مسیح صلیب پر مر گیا کسی دوسری تردید کا محتاج نہیں کیونکہ انجیل نے ہی خون نکلنے کا قصہ بیان کر کے اسکا جھوٹا ہونا ثابت کر دیا اسطرح پر یوحنا کی انجیل ان تمام لوگوں کے بیان کو جھوٹا ٹھیراتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر مر گیا تہا اور یقینی طور پر اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ وہ زندہ ہی اُتارا گیا - اس امر کو عیسائی بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہیں دیکھتے کیونکہ دوسری صورت میں یوحنا کی انجیل کو ایک افترائے عظیم ٹھیرانا پڑتا ہے - اسطرح پر وہ تمام بیانات انجیل کی رو سے اور تاریخ کی رو سے جھوٹے ٹھیرے جنمیں یہ مذکور ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا تہا - اور جب یہ بیانات جھوٹے ثابت ہو گئے تو اب مسیح کی موت کی کوئی شہادت باقی نہ رہی - مردوں میں سے مسیح کا جی اُٹھنا ایک ایسا امر ہے جو انسانی روزمرہ مشاہدہ کے خلاف ہے اور اسلئے اسکے ثابت کرنے کیلئے شہادت بھی ایسی ہی وزنی اور مضبوط ہونی چاہیئے - لیکن اگر کسی ایسے آدمی کے زندہ دیکھے جانیکا ثبوت ملے جسکی موت کی کوئی معتبر اور یقینی شہادت ہمارے پاس نہیں ہے تو ایسا ثبوت اسکے مردوں میں سے جی اُٹھنے کی کوئی دلیل نہیں ہاں اگر وہ کسی خطرناک حالت میں سے ہو گذرا ہو تو اس کی شفایابی کی یہ دلیل ٹھیر سکتی ہے - تاریخ شاہد ہے کہ بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ زیادہ عرصہ صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جانبر ہو گئے تو کیا ہم ان سب کو مردوں میں سے اُٹھے ہوئے مان لیں گے - ایسا محاورہ اگر استعارہ کیطور پر انکے حق میں بولا جاوے تو اسمیں تو چنداں حرج نہیں

کیونکہ دنیا کے نزدیک وہ مر ہی چکے ہوتے ہیں انہیں معنوں کے رو سے مسیح نے بھی اپنے شاگردوں کو کہا تہا کہ جی اُٹھنے کے بعد میں تم سے آگے آگے جلیل کو جاؤنگا۔ اس لئے اگر ان بیانات کو جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب کے بعد بھی چلتا پھرتا دیکھا گیا صحیح تسلیم کیا جاوے تو اسکی حقیقی طور پر مردوں میں سے جی اٹھنے کیلئے اسکی موت کی اعلیٰ درجہ کی مضبوط شہادت اور قوی دلائل چاہیئے کیونکہ صرف اسطرح پر دیکھا جانا اس نتیجہ تک تو نہیں پہونچاتا کہ وہ جی اُٹھا تہا بلکہ اس نتیجہ تک پہونچاتا ہے کہ وہ مرا ہی نہیں تہا۔ لیکن مسیح کی موت کی ایسی مضبوط شہادت، جو یقین کے درجہ تک ثبوت کو پہونچا سکے اناجیل میں نہیں پائی جاتی۔ اسلئے اناجیل کی شہادت بجائے جی اُٹھنے کے اسکی شفا یابی پر شاہد ہے اس قسم کی شہادت کے نہ پائے جانے سے ہر زمانہ میں مسیح کی موت کے متعلق شکوک پیدا ہوتے رہے ہیں بلکہ خود اسی وقت یعنی عین صلیب کے وقت پیلاطوس نے اپنی رائے کا یہ اظہار کیا کہ اتنی جلدی مسیح کیونکر مر گیا اُسوقت سے لیکر اس زمانہ تک دوستوں اور دشمنوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوتے رہے کہ مسیح واقعہ میں مرا نہیں اگرچہ ابتدا ہی سے حامیان مذہب عیسائی نے یہ عذر گھڑ لیا تھا کہ مسیح کا اسقدر جلدی مرجانا اسکا معجزہ ہے ورنہ واقعات کی رو سے وہ اسقدر جلدی مر نہ سکتا تہا۔

اناجیل متضاد بیانات کا ایک عجیب نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہے یعنی پہلے تو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ مسیح صلیب پر مر گیا تہا پھر اس کے بعد خون نکلنے کا واقعہ بیان کرکے یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ صلیب پر مرا نہیں تھا یہ اختلاف بیان دور نہیں ہو سکتا جب تک یہ تسلیم نہ کیا جاوے کہ پہلا بیان جو صلیب پر موت کے متعلق ہے وہ اگر مسیح کو بچانے کی غرض سے نہیں تو کم از کم ناواقفیت کے سبب سے ہے کیونکہ ایسی صورت میں موت کے متعلق قطعی رائے دینا کسی لایق ڈاکٹر کا کام ہو سکتا ہے جو ہرگز بلایا نہیں گیا اور اگر اسکو ہم تسلیم نہ کریں تو پھر انجیلوں کو مختلف اور متضاد بیانات کا ایک مجموعہ ٹھیراکر ردی میں پھینکنا پڑے گا۔ اگر انجیلوں میں کوئی اس قسم کا بیان بھی ہوتا کہ خون بہنے کے بعد مسیح مرا تہا تو ایسا بیان البتہ بحث اور غور کے لایق ہوتا اگرچہ پھر بھی یہ شبہ باقی رہتا اور اس اعتراض کی گنجایش ہوتی کہ جیسے مسیح کے صلیب پر مرنیکا بیان خود انجیلوں سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ دوسرا بیان بھی پہلے کیطرح جھوٹا ہے۔ لیکن عیسائیت کے حامیوں کے مشکلات اس سے اور بھی بڑھ گئے

ہیں کہ کوئی بیان یا واقع خون نکلنے کے قصے کے بعد ایسا مذکور نہیں جس سے مسیح کی موت کی شہادت ملے اس لئے اس امر کا بار ثبوت کہ مسیح یقینی طور پر مر چکا تھا عیسائی صاحبان کے ذمہ ہے اور جبتک اسکی موت کا قطعی ثبوت پیش نہ کیا جاوے اسکے جی اٹھنے کے قصے بیان کرنا ایک بے معنی اور لغو حرکت ہے۔

واقعہ صلیب کے بعد یسوع کا دیکھے جانا جیسا کہ ہم مفصل پہلے نمبروں میں بیان کر چکے ہیں صاف طور پر دکھاتا ہے کہ مسیح کو کوئی نیا جسم نہیں ملا تھا بلکہ یہی انسانی جسم اسی ترکیب سے تھا۔ ہر ایک واقع جو اسکے دیکھا جانے یا ملاقات کرنے کے متعلق واقعہ صلیب کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے اسکے جسم کا انسانی ترکیب اور انسانی احتیاجات کا پابند ثابت ہونیکے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسکی صحت میں اسیطرح بتدریج ترقی ہوئی جیسے کسی خطرناک مرض سے شفا یافتہ انسان کے صحت پانیکی حالت میں ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہی امر قابل غور ہے کہ جب تک دو یا تین دن گذر نہیں جاتے وہ قبر سے باہر نہیں نکل سکتا یہ خیال کرنا کہ جی اُٹھنے کے لئے اُسے اسقدر وقت درکار تھا اور اس سے پہلے وہ جی نہ سکتا تھا پرلے درجہ کی بیہودگی ہے۔ ہاں سخت کمزوری اور بیہوشی کے بعد بے شک انسان اس قابل نہیں ہو سکتا کہ جلدی ہی چل پھر سکے سو اس لحاظ سے یہ بالکل صاف بات ہے کہ دو تین دن کے سوائے وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اُسکے بعد بھی یعنی قبر سے باہر نکلنے کے بعد وہ معاً کوئی بڑا سفر اختیار نہیں کر سکا بلکہ پہلی باغ میں چلتا پھرتا رہا پھر آہستہ آہستہ باہر نکلنا شروع کیا اور آخر کار جب کافی طاقت جسم میں دیکھی تو جلیل کا راستہ اختیار کیا جو یہود کے شور و شر اور فتنوں سے امن میں تھا اور جو پہلے سے ہی حواریوں کے ساتھ ملاقات کا مقام قرار پا چکا تھا۔ اور پھر اُن تمام صورتوں میں بھیس بدل کر رہا اور ہمیشہ یہ احتیاط کرتا رہا کہ اسکے دشمنوں کو اُسکا پتہ نہ ملجائے۔ علاوہ ازیں جس وقت سے یوسف نے اپنے ذمہ اُسکی خبر گیری لی اُسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیر علاج رہا یہ محض خیال ہی نہیں بلکہ مرہم عیسیٰ کی نہایت مضبوط شہادت سے ایک ثابت شدہ امر ہے لیکن اس کا ذکر ہم آگے اس کے اپنے مقام پر چلکر کرینگے۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہیں انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ "اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی جو آرام میں

تھیں اُٹھیں اور اس کے اُٹھنے کے بعد (یعنی مسیح کے اٹھنے بعد) قبروں میں سے نکلکر اور مقدس شہر میں جاکر بہتوں کو نظر آئیں"۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۲۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ قصہ جو انجیل میں بیان کیا گیا ہے کہ مسیح کے اُٹھنے کے بعد پاک لوگ قبروں میں سے باہر نکل آئے اور زندہ ہوکر بہتوں کو نظر آئے یہ کسی تاریخی واقعہ کا بیان نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گویا اسی دنیا میں قیامت نمودار ہوجاتی اور وہ امر جو صدق اور ایمان دیکھنے کے لئے دنیا پر مخفی رکھا گیا تھا وہ سب پر کھل جاتا اور ایمان ایمان نہ رہتا اور ہر ایک مومن اور کافر کی نظر میں آنیوالے عالم کی حقیقت ایک بدیہی چیز ہوجاتی جیسا کہ چاند اور سورج اور دن رات کا وجود بدیہی ہے تب ایمان ایسی قیمتی اور قابل قدر چیز نہوتی جسپر اجر پانیکی کچھ امید ہوسکتی اگر مقدس لوگ اور بنی اسرائیل کے گذشتہ نبی جنکی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے سچ مچ واقعہ صلیب کے وقت زندہ ہوگئے تھے اور زندہ ہوکر شہر میں آگئے تھے اور حقیقت میں مسیح کی سچائی اور خدائی ثابت کرنے کے لئے یہ معجزہ دکھایا گیا تھا جو صدہا نبیوں اور لاکھوں راستبازوں کو ایکدم میں زندہ کردیا گیا تو اس صورت میں یہودیوں کو یہ ایک عمدہ موقعہ ملا تھا کہ وہ زندہ شدہ نبیوں اور دوسری راستبازوں اور اپنے فوت شدہ باپ دادوں سے مسیح کی نسبت دریافت کرتے کہ کیا یہ شخص جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت خدا ہی یا کہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے اور قرین قیاس ہی کہ اس موقعہ کو انہوں نے ہاتھ سے نہ دیا ہوگا اور ضرور دریافت کیا ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے کیونکہ یہودی ان باتوں کے بہت حریص تھے کہ اگر مردے دنیا میں دوبارہ آجائیں تو انسے دریافت کریں تو پھر جبکہ انمیں لاکھوں مردے زندہ ہوکر شہر میں آگئے اور ہر ایک محلہ میں ہزاروں مردے چلے گئے تو ایسے موقعہ کو یہودی کیونکر چھوڑ سکتے تھے ضرور انہوں نے نہ ایک دو سے بلکہ ہزاروں سے پوچھا ہوگا اور جب یہ مردے اپنے اپنے گھروں میں داخل ہوئے ہونگے تو ان لاکھوں انسانوں کے دنیا میں دوبارہ آنیسے گھر گھر میں شور پڑ گیا ہوگا اور ہر ایک گھر میں یہی شغل اور یہی ذکر اور یہی تذکرہ شروع ہوگیا ہوگا کہ مردوں سے پوچھتے ہونگے کہ کیا آپ لوگ اس شخص کو جو یسوع مسیح کہلاتا ہے حقیقت میں خدا جانتے ہیں۔ مگر چونکہ مردوں کی اس گواہی کے بعد جیسا کہ امید تھی یہودی حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے اور نہ کچھ نرم دل ہوئے بلکہ اور بھی سخت دل ہوگئے تو غالباً معلوم ہوتا ہے کہ مردوں نے کوئی اچھی گواہی نہیں دی بلکہ بلاتوقف یہ جواب دیا ہوگا کہ یہ شخص اپنے اس دعوئ خدائی میں بالکل جھوٹا ہے

اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ تبھی تو لاکھوں انسانوں بلکہ پیغمبروں اور رسولوں کے زندہ ہونے کے بعد بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو مار کر پھر دوسروں کے قتل کیطرف متوجہ ہوئے۔ بھلا یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ لاکھوں راستباز کہ جو حضرت آدم سے لیکر حضرت یحییٰ تک اس زمین پاک کی قبروں میں سوئے ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ ہو جائیں اور پھر وعظ کرنیکے لیے شہر میں آئیں اور ہر ایک کھڑا ہو کر ہزارہا انسانوں کے سامنے یہ گواہی دے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا ہے اسی کی پوجا کیا کرو اور پہلے خیالات چھوڑ دو ورنہ تمہارے لیے جہنم ہے جسکو خود ہم دیکھکر آئے ہیں اور پھر باوجود اس اعلیٰ درجہ کی گواہی اور شہادت رویت کے جو لاکھوں راستباز مردوں کے مونہہ سے نکلی یہودی اپنے انکار سے باز نہ آئیں۔ ہمارا کانشنس تو اس بات کو نہیں مانتا۔ پس اگر فی الحقیقت لاکھوں راستباز فوت شدہ پیغمبر اور رسول وغیرہ زندہ ہو کر گواہی کے لیے شہر میں آئے تھے تو کچھ شک نہیں کہ انہوں نے کچھ اُلٹی ہی گواہی دی ہوگی اور ہرگز حضرت مسیح کی خدائی کی تصدیق نہیں کیا ہوگا تبھی تو یہودی لوگ مردوں کی گواہیوں کو سُنکر اپنے کفر پر پکّے ہو گئے اور حضرت مسیح تو انسے خدائی منوانا چاہتے تھے مگر وہ تو اس گواہی کے بعد نبوت سے بھی منکر ہو بیٹھے۔

غرض ایسے عقیدے نہایت مضر اور بداثر ڈالنے والے ہیں کہ ایسا یقین کیا جائے کہ یہہ لاکھوں مردے یا اس سے پہلے کوئی مردہ حضرت مسیح نے زندہ کیا تھا کیونکہ اُن مردوں کے زندہ ہونے کے بعد کوئی نیک نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی دور دراز ملک میں جاتا ہے اور چند برس کے بعد اپنے شہر میں واپس آتا ہے تو طبعاً اُسکے دل میں یہ جوش ہوتا ہے کہ اس ملک کے عجائب غرائب لوگوں کے پاس بیان کرے اور اس ولایت کے عجیب در عجیب واقعات سے ان لوگوں کو اطلاع دے نہ یہ کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد جب اپنے لوگوں کو ملے تو زبان بند کیے اور گنگوں کیطرح بیٹھا رہے بلکہ ایسے موقعہ میں دوسرے لوگوں میں بھی فطرتاً یہ جوش پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پاس دوڑے آتے ہیں اور اس ملک کے حالات اُس سے پوچھتے ہیں اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ ان لوگوں کے ملک میں کوئی غریب شکستہ حال وارد ہو جسکی ظاہری حیثیت غریبانہ ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں اُس ملک کا بادشاہ ہوں جس کے پایۂ تخت کا سیر کر کے یہ لوگ آئے ہیں۔ اور میں فلاں فلاں بادشاہ سے بھی اپنے شاہانہ مرتبہ میں

اول درجہ پر ہوں تو لوگ ایسے سیّاحوں سے ضرور پوچھا کرتے ہیں کہ بھلا یہ تو بتلائیے کہ فلاں شخص جو ان دنوں میں ہمارے ملک میں اس ملک سے آیا ہوا ہے کیا یہ سچ مچ اس ملک کا بادشاہ ہے اور پھر وہ لوگ جیسا کہ واقعہ ہو بتلا دیا کرتے ہیں تو اس صورتمیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا فقط اس حالت میں قابل پذیرائی ہوتا جبکہ وہ گواہی جو انسے پوچھی گئی ہوگی جسکا پوچھنا ایک طبعی امر ہے کوئی مفید نتیجہ بخشتی۔ لیکن اسجگہ ایسا نہیں ہے پس ناچار اسبات کے فرض کرنے سے کہ مردہ زندہ ہوئے تھے اس بات کو بھی ساتھ ہی فرض کرنا پڑتا ہے کہ ان مردوں نے حضرت مسیح کے حق میں کوئی مفید گواہی نہیں دی ہوگی جس سے انکی سچائی تسلیم کیجاتی۔ بلکہ ایسی گواہی دی ہوگی جس سے اور بھی فتنہ بڑھ گیا ہوگا۔ کاش اگر انسانوں کی جگہ دوسرے چارپایوں کا زندہ کرنا بیان کیا جاتا تو اس میں بہت کچھ پردہ پوشی متصور تھی۔ مثلاً یہ کہا جاتا کہ حضرت مسیح نے کئی ہزار بیل زندہ کئے تھے تو یہ بات بہت معقول ہوتی اور کسی کے اعتراض کے وقت جبکہ مذکورہ بالا اعتراض کیا جاتا یعنی یہ کہا جاتا کہ ان مردونکی گواہی کا نتیجہ کیا ہوا تو ہم فی الفور کہہ سکتے کہ وہ تو بیل تھے انکی زبان کہاں تھی جو بھلی یا بُری گواہی دیتے بہلا وہ تو لاکھوں مردہ تھے جو حضرت مسیح نے زندہ کئے آج مثلاً چند ہندوؤں کو اگر بلا کر پوچھو کہ اگر تمہارے فوت شدہ باپ دادے دس بیس زندہ ہوکر دنیا میں واپس آجائیں اور گواہی دیں کہ فلاں مذہب سچا ہے تو کیا پھر بھی تم کو اس مذہب کی سچائی میں شک باقی رہ جائیگا۔ تو ہرگز نفی کا جواب نہیں دینگے۔ پس یقیناً سمجھو کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ اسقدر انکشاف کے بعد پھر بھی اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہے۔ افسوس ہے کہ ایسی کہانیوں کی بندش میں ہمارے ملک کے سکھ خالصہ عیسائیوں سے اچھے رہے اور انہوں نے ایسی کہانیوں کے بنانے میں خوب ہوشیاری کی۔ کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ انکے گرو باوا نانک نے ایک دفعہ ایک ہاتھی مردہ زندہ کیا تھا اب یہ اس قسم کا معجزہ ہے کہ تمام مذکورہ کا اعتراض اسپر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ سکھ کہسکتے ہیں کہ کیا ہاتھی کی کوئی بولنے والی زبان ہے کہ تا باوا نانک کی تصدیق یا تکذیب کرتا۔ غرض عوام تو اپنی چھوٹی سی عقل کیوجہ سے ایسے معجزات پر بہت خوش ہوتے ہیں مگر عقلمند غیر قوموں کے اعتراضوں کا نشانہ بنکر کوفتہ خاطر ہوتے ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ کہانیاں کی جائیں وہ بہت شرمندہ

ہوتے ہیں۔ اب چونکہ ہمکو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسا ہی محبت اور اخلاص کا تعلق ہے جیسا کہ عیسائیوں کو تعلق ہے بلکہ ہم کو بہت بڑھکر تعلق ہے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کس کی تعریف کرتے ہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ ہم کس کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ ہم نے انکو دیکھا ہی لہذا ہم اس عقیدہ کی اصل حقیقت کو کھولتے ہیں کہ جو انجیلوں میں لکھا ہے کہ صلیب کے واقعہ کیوقت تمام راستباز فوت شدہ زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے

Digitized by Khilafat Library

پس واضح ہو کہ یہ ایک کشفی امر تھا جو صلیب کے واقعہ کے بعد بعض پاک دل لوگوں نے خواب کیطرح دیکھا تھا کہ گویا مقدس مردے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے ہیں اور لوگوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور جیسا کہ خوابوں کی تعبیر خدا کی پاک کتابوں میں کیگئی ہے مثلاً جیسا کہ حضرت یوسف کی خواب کی تعبیر کی گئی ایسا ہی اس خواب کی بھی ایک تعبیر تھی۔ اور وہ یہ تعبیر تھی کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور خدا نے اسکو صلیب کی موت سے نجات دیدی۔ اور اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ تعبیر تمہیں کہاں سے معلوم ہوئی تو اسکا یہ جواب ہے کہ فن تعبیر کے اماموں نے ایسا ہی لکھا ہے اور تمام معبرین نے اپنے تجربہ سے اسپر گواہی دی ہے۔ چنانچہ ہم قدیم زمانہ کے ایک امام فن تعبیر یعنے صاحب کتاب تعطیر الانام کی تعبیر کو اسکی اصل عبارت کیساتھ ذیل میں لکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ من رأی ان الموتی وثبوا من قبورھم ورجعوا الیٰ دورھم فانہ یُطلق من فی السجن۔ دیکھو کتاب تعطیر الانام فی تعبیر المنام مصنفہ قطب الزمان شیخ عبد الغنی النابلسی صفحہ ۲۸۹۔ ترجمہ۔ اگر کوئی یہ خواب دیکھے یا کشفی طور پر مشاہدہ کرے کہ مردے قبروں سے نکل آئے اور اپنے گھروں کی طرف رجوع کیا تو اسکی یہ تعبیر ہے کہ ایک قیدی قید سے رہائی پائیگا اور ظالموں کے ہاتھ سے اسکو مخلصی حاصل ہو گی۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قیدی ہو گا کہ ایک شان اور عظمت رکھتا ہو گا۔ اب دیکھو یہ تعبیر کیسی معقولی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے اور فی الفور سمجھ آجاتا ہے کہ اسی اشارہ کے ظاہر کرنے کے لئے فوت شدہ راستباز زندہ ہو کر شہر میں داخل ہوتے نظر آئے کہ تا اہل فراست معلوم کریں کہ حضرت مسیح صلیبی موت سے بچائے گئے۔

اور منجملہ ان انجیلی شہادتوں کے جو ہمکو ملی ہیں انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اُنمیں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے"۔ دیکھو انجیل متی

باب ۱۶ آیت ۲۸۔ ایسا ہی انجیل یوحنا کی یہ عبارت ہے۔ یسوع نے اسے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ جبتک
میں آؤں وہ (یعنے یوحنا حواری) یہیں ٹھہرے یعنی یروشلم میں۔ دیکھو یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۲۔
یعنے اگر میں چاہوں تو یوحنا نہ مرے جبتک میں دوبارہ آؤں۔ ان آیات سے بکمال صفائی ثابت
ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ بعض لوگ اُسوقت تک زندہ رہینگے جبتک کہ وہ پھر واپس آئے
اور اُن زندہ رہنے والوں میں سے یوحنا کو بھی قرار دیا تھا۔ سو ضرور تھا کہ یہہ وعدہ پورا ہوتا چنانچہ عیسائیوں
نے بھی اس بات کو مان لیا ہے کہ یسوع کا اس زمانہ میں جبکہ بعض اہل زمانہ زندہ ہوں پیشگوئی کے پورا
کرنیکے لئے آنا نہایت ضروری تھا تا وعدہ کے موافق پیشگوئی ظہور میں آوے۔ اسی بنا پہ پادری صاحبوں کو
اس بات کا اقرار ہے کہ یسوع اپنے وعدہ کیموافق یروشلم کی بربادی کے وقت آیا تھا اور یوحنا نے
اسکو دیکھا تھا کیونکہ وہ اسوقت تک زندہ تھا مگر یاد رہے کہ عیسائی اس بات کو نہیں مانتے کہ مسیح اُسوقت
حقیقی طور پر اپنے قرارداد نشانوں کے موافق آسمان سے نازل ہوا تھا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک کشفی رنگ
میں یوحنا کو نظر آگیا تا اپنی اس پیشگوئی کو پورا کرے جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے۔ مگر میں کہتا
ہوں کہ اس قسم کے آنے سے پیشگوئی پوری نہیں ہوسکتی یہ تو نہایت ضعیف تاویل ہے۔ گویا
نکتہ چینیوں سے نہایت تکلّف کیساتھ پیچھا چھوڑانا ہے۔ اور یہ معنے اسقدر غلط اور بدیہی البطلان
ہیں کہ رد کرنے کی بھی حاجت نہیں۔ کیونکہ اگر مسیح نے خواب یا کشف کے ذریعہ سے کسی پر ظاہر ہونا
تھا تو پھر ایسی پیشگوئی گویا ایک ہنسی کی بات ہے ✣ اسطرح تو ایک مدت اس سے پہلے حضرت مسیح
پولوس پر ظاہر ہوچکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے اس نے
پادری صاحبوں کو نہایت گھبراہٹ میں ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے عقیدہ کے موافق کوئی معقول
معنے اسکے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ کہنا انکے لئے مشکل ہے کہ مسیح یروشلم کی بربادی کے وقت اپنے
جلال کے ساتھ آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اور جسطرح آسمان پر ہر ایک چمکنے والی بجلی سب کو نظر
آجاتی ہے سب نے اسکو دیکھا تھا اور انجیل کے اس فقرہ کو بھی نظر انداز کرنا انکے لئے آسان نہ تھا کہ انمیں سے

✣ میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ اس زمانہ کے مولوی عیسائیوں سے بھی زیادہ متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کے
پر تکلف معنے کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جبکہ مسیح نے اپنے آنیکے لئے یہ شرط لگادی تھی کہ بعض شخص اس
زمانہ کے زندہ ہونگے اور ایک حواری بھی زندہ ہوگا جب مسیح آئیگا تو اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ حواری ابتک
زندہ ہو کیونکہ مسیح ابتک نہیں آیا اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ حواری کسی پہاڑ میں پوشیدہ طور پر مسیح کی انتظار میں چھپکر بیٹھا ہوا ہے منہ

جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے دیکھہ نہ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے۔ لہذا نہایت تکلف سے اس پیشگوئی کو کشفی رنگ میں مانا گیا مگر یہ نادرست ہے کشفی طور پر تو ہمیشہ خدا کے برگزیدہ بندے خاص لوگوں کو نظر آجایا کرتے ہیں۔ اور کشفی طور میں خواب کی بھی شرط نہیں بلکہ بیداری میں ہی نظر آجاتے ہیں چنانچہ میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں میں نے کئی دفعہ کشفی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ اور اور بعض نبیوں سے بھی میں نے عین بیداری میں ملاقات کی ہے اور میں نے اپنے سید و مولیٰ اپنے امام نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی دفعہ عین بیداری میں دیکھا ہے اور باتیں کی ہیں اور ایسی صاف بیداری سے دیکھا ہے جسکے ساتھ خواب یا غفلت کا نام و نشان نہ تھا اور میں نے بعض اور وفات یافتہ لوگوں سے بھی اُنکی قبر پر یا اور موقعہ پر عین بیداری میں ملاقات کی ہے اور اُن سے باتیں بھی کی ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اس طرح پر عین بیداری میں گذشتہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے اور نہ صرف ملاقات بلکہ گفتگو ہوتی ہے اور مصافحہ بھی ہوتا ہے اور اس بیداری اور روزمرہ کی بیداری میں لوازم حواس میں کچھہ بھی فرق نہیں ہوتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ ہم اسی عالم میں ہیں اور یہی کان ہیں اور یہی آنکھیں ہیں اور یہی زبان ہے مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم اور ہے اور دنیا اس قسم کی بیداری کو نہیں جانتی کیونکہ دنیا غفلت کی زندگی میں پڑی ہے یہ بیداری آسمان سے ملتی ہے یہ انکو دیجاتی ہے جنکو نئے حواس ملتے ہیں۔ یہ ایک صحیح بات ہے اور واقعات حقہ میں سے ہے پس اگر مسیح اسی طرح یروشلم کی بربادی کیوقت یوحنا کو نظر آیا تھا تو گو وہ بیداری میں نظر آیا ہو اور گو اس سے باتیں بھی کی ہوں اور مصافحہ کیا ہو تاہم وہ واقعہ اس پیشگوئی سے کچھہ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ یہہ وہ امور ہیں جو ہمیشہ دنیا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی اگر ہم توجہ کریں تو خدا کے فضل سے مسیح کو یا اور کسی مقدس نبی کو عین بیداری میں دیکھہ سکتے ہیں۔ لیکن ایسی ملاقات سے متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہو سکتی سو اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ میں صلیب سے بچکر دوسرے ملک میں چلا جاؤنگا اور خدا نہ مجھے ہلاک کریگا اور نہ دنیا سے اُٹھائے گا جب تک کہ میں یہودیوں کی بربادی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھہ لوں اور جب وہ بادشاہت جو برگزیدوں کے لئے آسمان میں مقرر ہوتی ہے اپنے نتائج نہ دکھلاوے میں ہرگز وفات نہیں پاؤں گا اس لئے مسیح نے

یہہ پیشگوئی کی تا اپنے شاگردوں کو اطمینان دے کہ عنقریب تم میرا یہ نشان دیکھوگے کہ جنہوں نے مجھپر تلوار اُٹھائی وہ میری زندگی اور مشاہدہ میں تلواروں سے ہی قتل کئے جائیں گے سو اگر ثبوت کچھہ چیز ہے تو اس سے بڑھکر عیسائیوں کے لئے اور کوئی ثبوت نہیں کہ مسیح اپنی مونہہ سے پیشگوئی کرتا ہے کہ ابھی تم میں سے بعض زندہ ہونگے کہ میں پھر آؤنگا۔

یاد رہے کہ انجیلوں میں دو قسم کی پیشگوئیاں ہیں جو حضرت مسیح کے آنیکی متعلق ہیں۔

(۱) ایک وہ جو آخری زمانہ میں آنیکا وعدہ ہے وہ وعدہ روحانی طور پر ہے اور وہ آنا اسی قسم کا آنا ہے جیساکہ ایلیا نبی مسیح کے وقت دوبارہ آیا تھا سو وہ ہمارے اس زمانہ میں ایلیا کی طرح آچکا اور وہ یہی راقم ہے جو خادم نوع انسان ہے جو مسیح موعود ہو کر مسیح علیہ السلام کے نام پر آیا۔ اور مسیح نے میری نسبت انجیل میں خبر دی ہے۔ سو مبارک وہ جو مسیح کی تعظیم کے لئے میرے باب میں دیانت اور انصاف سے غور کرے۔ اور ٹھوکر نہ کھاوے۔ (۲) دوسری قسم کی پیشگوئیاں جو مسیح کے دوبارہ آنیکے متعلق انجیلوں میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت مسیح کی اس زندگی کے ثبوت کے لئے بیان کی گئی ہیں جو صلیب کے بعد خدا تعالے کے فضل سے قایم اور بحال رہی اور صلیبی موت سے خدا نے اپنے برگزیدہ کو بچالیا جیساکہ یہ پیشگوئی جو ابھی بیان کی گئی۔ عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ ان دونوں مقاموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے بڑی گھبراہٹ اور طرح طرح کے مشکلات اُن کو پیش آتے ہیں۔ غرض مسیح کے صلیب سے بچ جانے کے لئے یہ آیت جو متی ۱۶ باب میں پائی جاتی ہے بڑا ثبوت ہے۔

نوٹ اور ریویو

اعلیٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری - ایک لیکچر کے متعلق جو ڈاکٹر راوس نے کلکتہ میں عیسائی کانفرنس کے موقعہ پر "بائیبل کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات" کے مضمون پر دیا ایک پادری کا میگزین ہارویسٹ فیلڈ یوں لکھتا ہے۔

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ سچائی اور ہندوستان میں کلیسیا کی بہبودی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بائیبل کے کلام الہی ہونے کے متعلق جو اعتقاد کلیسیا کے عالم فاضل محقق رکھتے ہیں اسپر زیادہ توجہ کیجاوے - ہم خود اخبار انڈین وٹنس کی دانشمندانہ رائے سے بکلی اتفاق رکھتے ہیں جو لکھتا ہے کہ "بہت مدت سے ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ یہ بڑی بیوقوفی ہوگی اور ہندوستانی کلیسیا اور خصوصاً ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے حق میں جو بکثرت آگے بڑھ رہے ہیں پرلے درجہ کی بے انصافی ہوگی کہ انسے اس انقلاب عظیم کا علم عمداً چھپایا جاوے جو مغرب میں بائیبل کے متعلق شروع ہوگیا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر سازش کیطور پر اس معاملہ میں خاموشی اختیار کی گئی تو پھر آخر کار خود بخود طبیعتیں ایسے طور پر اس انقلاب کو قبول کرنیکے لئے تیار ہوجاوینگی کہ جسکا نتیجہ عیسائیت کے لئے بہت مضر ہوگا - کلیسیا کے ہندوستانی عہدہ داروں کا بڑا حصہ بائیبل کے متعلق ان نئے اعتقادات سے بالکل بیخبر ہے جو یورپ اور امریکہ میں کثرت سے مشنری لوگ رہتے ہیں - جیسا کہ کانفرنس کے موقعہ پر ایک لکچرار نے بیان کیا کہ بہت سارے نوجوان کلیسیا کیلئے اسوقت تیار کئے جارہے ہیں جنکو بائیبل کے متعلق یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ اسکے الفاظ الہامی ہیں اور یہ غلطیوں سے بالکل پاک ہے - اس قسم کی تعلیم دینا بڑی بیوقوفی کے ساتھ دشمن کے مقابل میں بازی ہار دینا ہے اور صداقت کے برخلاف یہ ایک بڑی بغاوت ہے کہ بائیبل کو غلطیوں سے پاک اور اس کے الفاظ کو خدا کا کلام کہا جائے"

اسطرح پر بائیبل موجودہ تحقیقات کے زبردست رو کے سامنے ایک تنکے کی طرح بہ گئی ہے اور اسی قابل یہ تھی - موجودہ اعتقاد عیسائی مذہب کا اسکے متعلق یہ ہے کہ نہ تو یہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی غلطیوں سے پاک ہے اور ہمیں اس سے بھی خوشی ہے کہ پادری صاحبان نے بھی اس اعتقاد کی

سچائی کو تسلیم کر لیا ہے۔ مگر یہ ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتاب کو پھر مدار نجات کیوں ٹھہرا رکھا ہے جو خود غلطیوں سے پاک نہیں وہ دوسرے کو کیونکر پاک کر سکتا ہی۔ اور خود تجربہ اسپر شاہد ہے کہ بائیبل انسانوں کو غلطیوں اور گناہوں سے پاک کرنیمیں ناکام ثابت ہوئی ہے علاوہ ازیں اگر بائیبل کے بعض حصوں میں غلطیاں ہیں اور بعض میں سچائیاں تو عیسائیوں کے ہاتھ میں کونسی کسوٹی ہے جس سے وہ غلطیوں کو سچائیوں سے الگ کر سکتے ہیں۔ اگر عقل کو ایسی کسوٹی مانا جائے تو پھر عیسائیوں کو صاف طور پر تسلیم کرنا چاہیئے کہ انکے مذہب کی بنا وحی الہی پر نہیں ہے بلکہ عقل پر ہے۔ لیکن اگر ایسی کسوٹی وحی الہی کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی تو یقیناً کسی سچی پاکیزہ اور قابل اعتبار وحی الہی کی جو تمام غلطیوں سے پاک ہو ضرورت ہے تاکہ وہ بائیبل کی غلطیوں کو الگ کر کے پھینکدے اور سچائیوں کو لیلے۔ ایسی وحی الہی صرف ایک ہی کتاب میں پائی جاتی ہے کیونکہ قرآن شریف ہی صرف ایک ایسی کتاب ہے جسے یہ دعوی ہے کہ وہ خدا کا سچا اور خالص کلام ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے اور ہر ایک کھوٹ سے اور باطل سے پاک ہے۔ قرآن کریم ہی ہے جس نے پہلے دنیا پر یہ امر واضح کیا کہ بائیبل ایک محرف مبدل کتاب ہے۔ اور اسطرح پر ایک ایسی ضرورت کو ثابت کیا جو خالص اور سچا کلام الہی ہے۔ یہ امر بڑا خوشی دینے والا ہے کہ بائیبل کے متعلق جو دعوی قرآن کریم نے کیا تھا اسی کو آخر عیسائیوں نے حتی کہ پادریوں نے بھی تسلیم کر لیا۔ ہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ایک ایسی کتاب کو جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان غلطیوں سے پاک نہیں دنیا میں پھیلانے کے لئے اسقدر جوش کیوں دکھایا جاتا ہی۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ غلطیوں کو دنیا میں پھیلا کر وہ دنیا کو کوئی فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔ محققین مذہب عیسائی کی رائے کو اور بائیبل کی غلطیوں کو تسلیم کر کے عیسائی مذہب ایک دم کے لئے بھی قایم نہیں رہ سکتا۔ سب سے بڑی معتبر کتاب میں جسمیں بائیبل کے متعلق موجودہ خیالات اور اعتقادات کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی انسکلوپیڈیا بیبلیکا یا مخزن العلوم بائیبل جو ولایت میں عیسائیوں کے اہتمام میں چھپ رہی ہے۔ کالم ۱۸۸۱ جلد ۲ میں یہ لکھا ہے کہ تمام انجیلوں میں صرف پانچ فقرے یسوع کے متعلق ایسے ہیں جو بالکل قابل اعتبار مانے جا سکتے ہیں اور وہ پانچ فقرے حسب ذیل ہیں اول مرقس ۱۰/۱۷ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک تو کوئی نہیں سوائے خدا کے۔ دویم متی ۱۲/۳۱ کا بیان کہ ابن آدم کے متعلق گناہ بخشا جا سکتا ہے۔

سوئم مرقس ۳:۲۱ کا بیان کہ یسوع کے رشتہ دار اسے پاگل سمجھتے تھے - **چہارم** مرقس ۱۳:۳۲ اس دن اور اس گھڑی کو کوئی نہیں جانتا (یعنی قیامت کو) نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا ہی - بلکہ صرف باپ - **پنجم** مرقس ۱۵:۳۴ اور متی ۲۷:۴۶ میرے خدا میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا ہے - اسکے بعد پروفیسر شمیدل جو کہ زیورچ کی یونیورسٹی میں تفسیر انجیل کا پروفیسر ہے لکھتا ہے کیونکہ اس ساری مضمون کا لکھنے والا ہی کلیسیا کا عظیم الشان عہدہ دار ہے کہ یہ فقرے "جنکو یسوع کی علمی زندگی کی بنیادی پتھر کہا جا سکتا ہے قطعی طور پہ اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ یسوع کی ذات میں ہمارا معاملہ ایک **خالص انسان** کے ساتھ ہے اور یہ کہ اگر کوئی الوہیت اسمیں ہے تو وہ اسی رنگ میں ہے جسمیں کہ وہ انسانوں میں پائی جاتی ہے" یعنی یسوع میں کوئی نرالی الوہیت نہیں بلکہ اسی قسم کی ہے جیسے دوسرے برگزیدوں میں پائی جاتی ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ پادری صاحبان ان عظیم الشان سچائیوں کا صاف صاف اقرار کر کے مشتہر کر دینگے اور یسوع کی خدائی کے جھوٹے عقیدے پر لعنت ڈالیں گے -

روح اللہ - عیسائی اخبار ایپی فینی کا ایک نامہ نگار جو اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتا ہے ۱۸ - اپریل ۱۹۰۳ء کے اخبار میں لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کے قرآن میں چار پیغمبروں" یعنی ابراہیم موسیٰ عیسیٰ - اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم" کے ناموں کے بعد خاص خطاب خلیل اللہ - کلیم اللہ - روح اللہ اور حبیب اللہ استعمال کئے گئے ہیں" اور ایڈیٹر اخبار مذکور بھی اس تحریر کو بغیر کسی نوٹ کے چھاپنے سے اسی کی تائید کرتا ہے - قرآن کریم سے ایسی جہالت اور ناواقفیت خصوصاً جبکہ ان تحریروں کو مخالفت کے رنگ میں ہزارہا انسانوں میں شائع کیا جاتا ہے نہایت ہی قابل افسوس ہے - امر واقعہ یہ ہے کہ ان کلمات میں سے کوئی کلمہ بھی نہ اُن نبیوں کے نام کے بعد اور نہ ہی کسی اور نبی کے نام کے بعد استعمال کیا گیا ہے اسمیں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ کی پیدایش کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے روح منہ فرمایا ہے مگر یہ بالکل الگ بات ہے - ان الفاظ کا منشاء تو صرف اس اعتراض کو دور کرنا ہے جو یسوع کی پیدائش کو ناپاک اور ناجائز قرار دیتا ہے - یسوع کی پیدائش کے متعلق یہود یوں کا یہ نہایت ہی ناپاک اعتراض چلا آتا تھا کہ اسکی ولادت ناجائز ہے اور اس لئے قرآن شریف کیلئے ضروری تھا کہ قبل اسکو پیغمبر منوانیکے اس ناپاک اعتراض کا دفعیہ کرتا - ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ جو روح ناجائز تعلق کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون نکاح کے خلاف ہو دنیا میں آوے اسکو استعارہ کے رنگ میں شیطانی روح کہا جائیگا چنانچہ یہودی حضرت مسیح کی نسبت بعینہ یہ الفاظ استعمال کرتے تھے - اور اس ناپاک حملے کو دور کرنیکے لئے قرآن شریف نے یہ فرمایا کہ اس کی روح شیطانی نہیں بلکہ خدا کیطرف سے ہے

یعنی پاک روح ہے۔ ناپاک روح کو دوسرے موقعہ پر قرآن شریف نے شیطانی روح ٹھہرایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کیوں اسی قسم کے الفاظ دوسرے انبیاء کی نسبت استعمال نہیں کئے گئے۔ کسی نبی کی پیدائش کے متعلق ناجائز ولادت کی ناپاک تہمت نہیں لگائی گئی سوائے حضرت مسیح کے اور اسلئے صرف مسیح کی صورت میں ہی قرآن شریف کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ اُسکی ولادت پاک ہے اور اسکی روح خدا کیطرف سے ہے نہ شیطانی۔ دوسرے انبیاء کی روح کو کبھی کسی نے شیطانی نہیں کہا اسلئے قرآن شریف کو ضرورت نہ تھی کہ انکی نسبت کسی ایسے اعتراض کا ذب کرنیکیلئے وہ الفاظ استعمال کرتا۔ جو حضرت مسیح کیلئے کئے۔ غرض کہ حضرت عیسے کی نسبت لفظ روح منہ کے استعمال سے قرآن کریم کی غرض صرف دفع اعتراض ولادت ناجائز ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ ضرورت کے مطابق نازل ہوئے ہیں اور یہ لفظ جو حضرت مسیح کی نسبت بیان فرمائے تو ضرورت یہی پیش آئی تھی کہ انکی ولادت کو ناپاک کہا گیا تھا۔ اس اعتراض کو رفع کر کے قرآن شریف نے حضرت مسیح کی ولادت کو ایسا ہی پاک قرار دیا ہے جیسے کہ دوسرے انبیاء کی ولادت اسکے نزدیک پاک ہے اسکی تائید میں ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کو قرآن شریف کا **صدیقہ** کہنا بھی اسی بات کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا لفظ حضرت مریم کی نسبت استعمال کرنے سے یہ غرض نہیں کہ مریم کے سوائے کوئی عورت صدیقہ نہیں ہوئی بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ چونکہ حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی اسلئے انکی تطہیر قرآن شریف نے اس بیان سے کی ہے اور اس تہمت کو جھوٹا ٹھیرا کر حضرت مریم کو صدیقہ کے لقب سے یاد فرمایا۔ حضرت مریم کی پاکدامنی پر الزام لگایا گیا جیسا کہ اسکے بیٹے کی ولادت پر لگایا گیا تھا اسلئے قرآن شریف نے اسکا ذب کر دیا ایسا ہی اس حدیث کا منشا ہے جسمیں لکھا ہے کہ مریم اور اسکا بیٹا مس شیطان سے پاک ہیں کیونکہ یہودی ماں اور بیٹے دونوں کیطرف شیطانی کام اور شیطانی صفات بسبب عداوت کے منسوب کرتے تھے اسلئے ضروری تھا کہ نبی علیہ السلام دونوں برگزیدوں کو مس شیطان سے یعنی شیطانی تعلقات سے پاک بیان فرماتے اس حدیث کا منشا بھی صرف رفع اعتراض ہی ہے ورنہ گناہ کرنے یا نہ کرنے سے اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

گذشتہ دس سال میں مسلمانوں کی ہند میں ترقی

سنہ ۱۹۱۰ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں کے پاس مذہب کے پھیلانیکے ذرائع بہت ہی کم ہیں پھر بھی جو ترقی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں ہوئی ہے وہ اُن سب ترقیوں کے مجموعے سے بہت بڑھکر ہے جو دیگر تمام مذاہب میں ہوئی ہیں مفصلہ ذیل اعداد اسکی تفصیل کرتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۱۰ء تک ہندوؤں کی تعداد میں پانچ لاکھ پچاسی ہزار کی کمی ہوئی ہے عیسائیوں کی تعداد میں چھ لاکھ اُنتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی۔ بدھ مذہب والوں کی تعداد میں تیئس لاکھ پینتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی ہے۔ اور سکھوں کی تعداد میں ایک لاکھ ستاسی ہزار چار سو کی ترقی ہوئی ہے۔ اسطرح پر ان تمام مذاہب میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں انکو اگر جمع کیا جاوے تو دس سال میں تمام مذاہب کی ترقی ملک ہندوستان میں بحیثیت مجموعی پچیس لاکھ چھیاسی ہزار چار سو ہوتی ہے جسمیں سے مسلمان صرف الگ ہیں

اسی عرصہ میں مسلمانوں کی ترقی پچاس لاکھ سے بھی زیادہ ہوئی ہے جو دیگر تمام مذاہب کے مجموعہ ترقی سے دوگنی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستان کی کل آبادی جو انتیس کروڑ چالیس لاکھ کے قریب ہے اس میں سے مسلمان صرف چھ کروڑ ساڑھے باراں لاکھ ہیں یعنی کل مردم شماری میں صرف اکیس فیصدی کے قریب۔ یہ حیرت انگیز ترقی مذہب اسلام کی ملک ہند میں بمقابلہ طرح طرح کی رکاوٹوں اور کم سامانیوں کے صرف اس کے اصول کی سادگی اور کشش کے باعث ہے۔ تاہم یہ افسوس کا مقام ہے کہ چھ لاکھ انتالیس ہزار کی ترقی کا جو مذہب عیسائی میں ہوئی ہے کثیر حصہ دوسرے مذاہب سے لیا گیا ہے اور انہیں بہت سے ایسے ہوں گے جو اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کی طرف گئے ہیں۔ یہ نتیجہ سچے اصول میں ان اصولوں کے ملا لینے کا ہے جو عیسائیت کے جھوٹے اعتقاد سے جاہل انسانوں کو فریب کر دیتے ہیں کیا یہ سچ نہیں کہ جس زمانہ میں خالص اور سچے اصول مذہب اسلام کے تھے تو لکھو کہا عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ حالانکہ برعکس اس کے اب یہ حالت ہے کہ مسلمان اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت کے بطلان کی طرف جا رہے ہیں۔

حضرت مسیح کی قبر

جناب ایڈیٹر صاحب: السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ از راہ مہربانی میری اس چٹھی کو اپنے رسالے میں جگہ دیکر ممنون فرمادیں۔

کلکتہ کے عیسائی اخبار ایپی فنی مورخہ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک گم نام چٹھی چھپی ہے جس میں یہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ جو امور حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے سری نگر کی قبر کی نسبت شائع کیئے ہیں انکی تردید کی جائے اس چٹھی کے لکھنے والا اکثر امور کو جو میرزا صاحب نے شائع کئے ہیں قبول کرتا ہے۔ اور جہاں وہ حضرت میرزا صاحب سے اختلاف کرتا ہے۔ وہاں وہ اپنے اختلاف کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتا۔ وہ مانتا ہے کہ یہ قبر نبی یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔

اس بات کو مان کر پھر بھی وہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یوز آسف کوئی اسلامی ولی تھا۔ جسکو مری دو سو برس سے زیادہ نہیں ہوئے۔ اُس کا یہ نتیجہ صرف طرز عمارت پر مبنی ہے۔ وہ لکھتا ہے "اس قبر کے مصالح اور طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عمارت دو سو برس کی ہوگی۔ بلکہ اغلب تو یہ ہے۔ کہ اس سے بھی بہت پیچھے کی ہے" اگر ہم مان بھی لیں۔ کہ یہ عمارت دو سو برس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ یوز آسف کو گذرے صرف دو سو برس ہوئے ہیں کیا وہ نہیں جانتا۔ کہ قدیمی عمارتوں کی اکثر مرمت کیجاتی ہے۔ اور جب ایک پرانا مکان زمانے کے ہاتھوں سے تباہ ہو جاتا ہے تو اسکی بجائے نئی عمارتیں بنانی پڑتی ہیں۔ صرف یہی امر کہ کشمیر کے مسلمانوں میں یہ شخص نبی کے نام سے مشہور ہے۔ اس خیال کی تردید کے لئے کافی ہے کہ وہ ایک اسلام کا ولی تھا۔ کوئی سمجھدار آدمی یہ خیال نہیں کرے گا۔ کہ جو شخص مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ایک مسلمانوں کا ولی تھا۔ اگر ایک مسلمان ولی معجزات بھی دکھائے۔ مسلمان اُس کو کبھی نبی کا خطاب نہیں دینگے۔ انکا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور انکے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لیے یوز آسف کا کشمیر کے مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہونا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے کا ہے۔ اور جو شخص اس کو ایک مسلمان ولی کہتا ہے۔ وہ عام مسلمانوں کے مشہور اعتقادات سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ اس نامہ نگار کی تردید کے لئے خود اس کی چٹھی کی شہادت کافی ہے۔

اول۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس مقام کے لوگ یوز آسف کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ شہادت ظاہر کرتی ہے۔ کہ یوز آسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء جن میں یوز آسف کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ یہ سب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہیں۔ اور کوئی بھی بعد کا نہیں ہے۔

دوم۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یوز آسف کا نبی کے نام سے مشہور ہونا ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرا ہے۔ ہم کسی ایسے کشمیری نبی کو نہیں جانتے۔ جو دو سو سال کے اندر گذرا ہو۔

سوم - یہ نامہ نگار ہمیں خبر دیتا ہے - کہ یہ قبر یوز آسف کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شہادت بھی ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایک قدیم زمانے کا نبی ہے۔ یہی یوز آسف ہے جو یورپ میں سینٹ جو آزف یا سینٹ جوزافٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق ایک قصہ بھی بنا ہوا ہے۔ سینٹ جو آزف کا قصہ یورپ کو پہلے پہل سینٹ جوہن دمشقی کی ایک یونانی کتاب کے ذریعہ سے پہونچا۔ جو آٹھویں صدی میں لکھی گئی۔ اس قصہ کے اس سے بھی پیشتر کے نسخے ہیں۔ اور یہ بات بڑی قوی ہے۔ کہ یوز آسف پہلی صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ یوز آسف کو عیسائیوں نے اپنا ایک ولی مقرر کیا۔ اور اس کے نام کا ایک گرجا شہر پلرمو جزیرہ سسلی میں ابتک موجود ہے۔ اُس کے ولی مقرر کرنے کی وجہ یہہ تھی کہ اسکی تعلیم اور مثالیں مسیح کی تعلیم اور مثالوں سے نہایت ہی مشابہ تھیں۔ اور بعض تو بعینہٖ وہی تھیں۔ اس لیے غلطی سے اسکو مسیح کا شاگرد سمجھا گیا۔ یوز آسف کے قصے کے بعض نسخے بصراحت بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ کشمیر میں فوت ہوا۔ یوز آسف کے قصوں میں ممکن ہے کہ بہت سا جھوٹ ملا ہوا ہو مگر اُن سے اتنی بات یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ یوز آسف کوئی حال کا اسلامی ولی نہیں ہے

یہ بے نام نامہ نگار حضرت میرزا صاحب کو بڑی جرأت سے بناوٹ اور جعل کا الزام لگاتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کی نسبت بعض ایسے امور شائع کئے جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص مسیح ابن مریم تھا جو کشمیر میں آکر فوت ہوا۔ اُنکی بعض باتیں تو یہ نامہ نگار مانتا ہے۔ مگر باقی کو یہ محض جھوٹ قرار دیتا ہے۔ یہ شخص بظاہر ایک دیسی عیسائی ہے جو پنجاب کا رہنے والا ہے۔ اس نے بہت ہی ناقص اور نامکمل تحقیقات کی ہے۔ خود اس کی چٹھی سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی تحقیقات صرف چند ایک آدمیوں تک محدود رہی۔ جو اتفاقاً قبر کے پاس اُس وقت موجود تھے۔ اگر یہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کی تردید کرنا چاہتا تھا۔ جو آپ نے بڑی تحقیقات کے ساتھ دنیا میں بھی شائع کئے ہیں۔ تو اُس کو چاہیے تھا کہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو بہت وسیع کرتا۔ اور اس اہم کام کے لئے بہت سا وقت خرچ کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دیسی عیسائی نے عمداً اپنی تحقیقات کو وسیع نہیں کیا تا ایسا نہ ہو کہ

سچ کھل جائے۔ اُس نے چند مبہم جوابات پر قناعت کر لی۔ جو اُس کو اُن لوگوں سے ملے جو اتفاقاً وہاں موجود تھے۔ اگر وہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو وسیع کرتا۔ تو یقیناً اُس کو کئی ایسے آدمی ملتے جو اُس کو وہ تمام باتیں بتلاتے۔ جو حضرت میرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔

اُس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت میرزا صاحب کا اعلان ایسی نکمی تحقیقات پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ اُس نے سری نگر میں جا کر کی ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے صرف اسی غرض کے واسطے چند آدمی کشمیر بھیجے یہ لوگ اچھے تعلیم یافتہ اور کشمیری زبان سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے ایک لمبے عرصہ تک وہاں رہ کر بڑے اطمینان کے ساتھ تحقیقات کی۔ ناخواندہ لوگوں کی بے شمار زبانی شہادتوں کے علاوہ اُنہوں نے پانسو آدمیوں کے تحریری بیانات اور دستخط حاصل کیئے جنہوں نے اُن تمام امور کی شہادت دی۔ جو حضرت میرزا صاحب نے بعد میں عام لوگوں کی واقفیت کے لئے شائع کئے۔ حضرت میرزا صاحب کی اس کامل تحقیقات کے مقابل میں ایک ایسے ویسے عیسائی کی سرسری اور متعصبانہ تحقیقات کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جس میں اتنی بھی جرأت نہیں۔ کہ اپنے نام کو ہی ظاہر کرے۔

سچ تو یہ ہے۔ کہ جتنے امور اس بے نام نامہ نگار نے واقعی طور پر تحقیقات کیئے ہیں۔ وہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کے بالکل مطابق ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اس عیسائی نامہ نگار کی نسبت زیادہ امور دریافت کئے ہیں۔ اور زیادہ محنت اُٹھائی ہے۔ اس گمنام شخص کی یہ حرکت بہت ہی قابل نفرین ہے۔ کہ اس نے حضرت میرزا صاحب کو جعل اور بناوٹ کا الزام لگایا ہے۔ جن لوگوں سے اس نے دریافت کیا۔ اُنہوں نے صاف شہادت دی کہ یہ یوز آسف کی قبر ہے۔ پھر بھی یہ شخص ایسا نادان ہے۔ کہ حضرت میرزا صاحب کو جعل کا الزام لگاتا ہے۔ اُس نے کسی کو ان امور کا انکار کرتے ہوئے نہیں سنا۔ جو حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کے متعلق شائع کئے ہیں۔ اور اگر وہ اُن سے بالصراحت سوال کرتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ وہی لوگ حضرت میرزا صاحب کے

بیانات کی تصدیق کرتے۔ اگر یہ اُنہوں نے بالصراحت بیان نہیں کیا۔ کہ یوز آسف ایک شاہزادہ تھا۔ جو اُنیس سو برس ہوئے ایک غیر ملک سے یہاں آیا تھا۔ مگر اُن کے بیانات میں کافی شہادت ہے۔ جس سے ان سب امور کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً خود یوز آسف کا نام اس بات کی شہادت ہے۔ کہ وہ شاہزادہ تھا۔ یہ نام بہت سی پُرانی کتابوں اور تاریخوں میں مذکور ہے۔ جس میں اُس کو بلا اختلاف شاہزادہ بیان کیا گیا ہے۔ اُس کا غیر ملک سے آنا بھی بدلائل ذیل واضح ہے۔

اول یوز آسف ایک ہندی نام نہیں ہے اس لئے جس شخص کا نام ہے وہ ضرور کسی غیر ملک کا باشندہ ہوگا۔

دوم لفظ نبی بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کا باشندہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ اوتار یا بدھ کے نام سے مشہور ہونا چاہئے تھا لفظ نبی سے اس کا اسرائیلی نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نام کسی اور قوم کے بزرگوں پر اطلاق نہیں پاتا۔

ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نامہ نگار کی چٹھی میں کوئی ایسی بات نہیں جو کہ مرزا صاحب کے بیانات کے مخالف ہو۔ بلکہ اس کی چٹھی حضرت مرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتی ہے۔ اور اس لئے اُس نے نہایت ہی بُری حرکت کی ہے کہ میرزا صاحب کو جھوٹا الزام لگایا ہے۔ وہ اپنی چٹھی کے عنوان پر لکھتا ہے یوز آسف کی قبر کی اصلیت۔ مگر ہم تعجب سے دیکھتے ہیں کہ اس چٹھی میں کوئی بھی نئی بات نہیں۔ اسکی یہ رائے کہ یوز آسف ایک اسلامی ولی تھا جس کو گذرے ہوئے دو سو برس بھی نہیں ہوئے یہ اس کی ایک ذاتی رائے ہے جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں جو واقعات وہ پیش کرتا ہے وہ میرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت میرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں ایک کتبے کا بھی ذکر کیا ہے یہ شخص اس کے وجود سے ہی انکار کرتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے کہ یہ مرزا صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔ اس بیچارے نے سری نگر جانے میں بے فائدہ تکلیف اُٹھائی اور وہ پوری تحقیقات کرتا تو کبھی ایسی بیہودگی کا مرتکب نہ ہوتا اسکو معلوم

ہونا چاہیئے کہ یہہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلہ پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعہ کے اندر پڑا ہے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ یہہ قبر عام طور پر رنگا صاحب کے نام سے مشہور ہے مگر سری نگر میں کوئی قبر اس نام کی موجود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ چھپنے میں غلطی ہوئی ہے روضہ کی جگہ رنگہ لکھا گیا (کیونکہ انگریزی کی حروف میں یہ دونو لفظ بہت مشابہ ہیں) اس قبر کا نام روضہ بل مشہور ہے۔ روضہ کا لفظ عام طور پر قبروں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بل کشمیری میں اجتماع کی جگہ کو کہتے ہیں اور بھی بہت سے مقامات ہیں جنمیں بل کا لفظ آتا ہے مثلاً یار بل - تار بل - دھا بل -

یہ نامہ نگار بڑی سادگی سے بیان کرتا ہے کہ مسیح کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے - اگر مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے تو جب آپکے پہلو کو برچھی سے چھیدا گیا تو کیوں خون نکل آیا - صلیب پر صرف تین گھنٹے لٹکنا موت کا باعث نہیں ہو سکتا تھا - جو دو آدمی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھہ صلیب پر چڑھائے گئے تھے وہ بالکل زندہ اور پورے ہوش وحواس کے ساتھہ اُترے - حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے نکلے - قریباً ایک سو میل کا سفر پیادہ پا کیا - لوگوں کی انگلیاں میخوں کے زخموں میں ڈلوا کر اپنے خاکی جسم کا ثبوت دیا - حواریوں کے ساتھہ ملکر کھایا اور پیا - اور مرہم حواریین کے استعمال سے اپنے صلیبی زخموں کا علاج کیا - اور اس طرح اپنی اُس پیشگوئی کو پورا کیا - کہ میں یونس نبی کے معجزہ کے سوا اَور کوئی معجزہ نہیں دکھاؤں گا - جس طرح یونس ع زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے - ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام زندہ قبر میں داخل ہوئے اور زندہ نکلے - مگر باوجود اتنی شہادتوں کے یہ سادہ لوح عیسائی کہتا ہے کہ مسیح کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے -

یہ شخص مرہم حواریین کا بڑی حقارت کے ساتھہ ذکر کرتا ہے - یہہ مرہم جس کو مرہم عیسےٰ اور مرہم رسل بھی کہتے ہیں - کوئی ایسی چیز نہیں جس کا نام آج سنا گیا ہو بلکہ کثیر التعداد قدیمی طبی کتابوں میں مذکور ہے جن میں بالاتفاق بیان

کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے آپکے زخموں کے لیئے تیار کی تھی۔ اور ایسی کتابوں کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں تک پہونچی ہوئی ہے صرف تمسخر اور استہزا سے وہ ان طبی کتابوں کی متفق علیہ شہادت کو رد نہیں کر سکتا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم مرہم حواریین کے استعمال سے اچھے ہو گئے تو آپنے افغانستان اور کشمیر کی طرف رخ کیا تا بنی اسرائیل کے دس فرقے جو جلا وطن ہو کر ان ملکوں میں آباد ہو گئے تھے آپکی رسالت سے محروم نہ رہیں۔ آخر وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خان یار میں آپ مدفون ہوئے۔

جب میں یہ چٹھی لکھ چکا تو اس گمنام نامہ نگار کی بدقسمتی سے مجھے الھلال کا اپریل کا پرچہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ ایک عیسائی پرچہ ہے جو بیروت ملک شام سے نکلتا ہے۔ اس کا ایڈیٹر کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے یوز آسف کی قبر کی نسبت یوں لکھتا ہے۔ وفی حارۃ تسمی الخان یار فی ھذہ المدینۃ قبر یسمیہ القشامرۃ قبر النبی یوزاسف یزورہ العوام والخواص وفی بعض کتب التاریخ عندھم ان یوزاسف ھذا کان نبیا من الانبیاء جاء من اقصی البلاد فمات ودفن فی ھذہ المدینۃ فزعم رجل فنجابی ان ھذا النبی ھو المسیح۔ یعنے اس شہر (سری نگر) کے محلہ خانہ یار میں ایک قبر ہے جس کو کشمیر کے لوگ نبی یوز آسف کی قبر کہتے ہیں۔ عوام اور خواص اس قبر کی زیارت کرنے کیلئے آتے ہیں۔ اور بعض کشمیر کی تاریخی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ یوز آسف ایک نبی تھا جو دور دراز ملک سے آیا۔ یہاں وفات پائی اور اس شہر میں مدفون ہوا۔ اس لئے ایک پنجابی آدمی نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ نبی مسیح ہی تھا۔

ایک فاضل عیسائی ایڈیٹر کی یہ شہادت ہمارے عیسائی

نامہ نگار کی چٹھی کی تردید کے لئے کافی ہے۔

شیر علی۔ یکم مئی ۱۹۰۳ء

از قادیان دارالامان

ریویو آف ریلیجنز

یہ عجیب و غریب ماہواری مذہبی رسالہ قادیان ضلع گورداسپور سے ہر مہینہ کی بیس تاریخ کو نکلتا ہے اسکے مضامین جو تمام مذاہب باطلہ کی تردید اور حصول حقہ اسلام کی تائید میں ہوتے ہیں۔ عموماً حضرت اقدس میرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی مسعود کی قلم سے نکلتے ہیں۔ عیسائیوں آریوں برہموؤں فلسفیوں وغیرہ کے ہر ایک اعتراض کا جو وہ مذہب اسلام پر کرتے ہیں جواب دیتا ہے۔ اس رسالہ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ زبان انگریزی میں دنیا کے سامنے انگلستان امریکہ وغیرہ میں جاتا ہے۔ اور اس لئے اس کے مضامین مخصوصاً اس قسم کے ہوتے ہیں جنسے اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ نظر آئے اور اُسکا رعب دلوں پر قائم ہو۔ اور اس کے متعلق ہر ایک قسم کے شکوک و شبہات دور کئے جاویں۔

قیمت انگریزی للعہ سالانہ مع محصولڈاک نمونہ کا پرچہ ۶ر

اردو رسالہ معمولی کاغذ عـہ / ولایتی کاغذ سے ــ للعہ ــ ۳ر ۴ر

علی الترتیب ملتا ہے۔ بغیر وصولی قیمت کے رسالہ کسی صاحب کے نام جاری نہیں ہو سکتا جو صاحب منی آرڈر کے ذریعہ قیمت ارسال نہ فرماویں انکو چاہیئے کہ اپنی درخواست کے ساتھ اجازت بھیجیں کہ پہلا پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جاوے۔

یہ رسالہ تجارتی اشتہارات کے لئے بھی کھلا ہے بشرطیکہ وہ ہر ایک قسم کے فحش سے اور مبالغہ سے پاک ہوں۔ اُجرت اشتہارات کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	عہ	معہ	عہ
ششماہی	معہ	عہ	ے ر
سہ ماہی	عہ	ے ر	للعہ ر
فی سطر ۴ر			

نوٹ۔ یہ رسالہ اخبار الحکم (جو مہینہ میں چار بار چھ سال سے قادیان سے نکلتا ہے) سے ایک بالکل الگ اور طرز کا رسالہ ہے جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین ہوتے ہیں اور اخبار میں عموماً حضرت اقدس کی تقریریں مولوی عبد الکریم صاحب کے خطبہ اور حکیم الامتہ کے وعظ دار الامان کی خبریں اور متفرق مضامین ہوتے ہیں +

جوہر جواہر - مشک عنبر - مونگا - موتی - یاقوت - اور بیش قیمت جواہرات سے خالص تیار ہوتی ہیں - انسان کی زندگی تندرستی اور طاقت کیلئے انسے بہتر کوئی دوا نہیں - یہ امراض قلب دماغ اعصاب و گردہ و مثانہ و فساد خون کے رفع کرنے میں بے مثل ہیں - معدہ کو درست اور خون کو زہریلے مواد سے صاف اور تمام جسم و اعضا کو قوی اور مضبوط کرتی ہیں - وبائی اور زہریلی بیماریوں کو روک دیتی ہیں - طبیعت میں تفریح اور خاطر خواہ نشاط پہونچاتی ہیں - عقل ہوش و حواس حافظہ ذہن وغیرہ کو ترقی دیتی ہیں۔

مرہم عیسیٰ - عجیب و غریب - اگر دنیا بھر میں اس سے پُر تاثیر تیر بہدف ہر قسم کے زخموں جراحتوں - چوٹوں - گلٹیوں - خنازیر - سرطان - طاعون اور ہر ایک قسم کی خبیث زہریلی پھوڑوں پھنسیوں - ناسوروں - بواسیر - گنج - خارش وغیرہ طرح طرح کی جلدی بیماریوں اور ہونٹوں کے سردی سے پھٹ جانے - جانوروں کے کاٹ لینے - جل جانے وغیرہ کیلئے ... خطرناک سرطان رحم وغیرہ کیلئے صدہا سال کا مجرب طبقہ کے حکماء کا متفقہ مجربہ بابرکت علاج چاہتے ہیں تو بابرکت مرہم صرف اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کرنیکا ذمہ دار ہے - طبی جہان اسکے کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے - قیمت فی ڈبیہ ۱۲ آنہ / ۳ روپیہ

پاکٹ کیس ادویات - اکثر جانیں طبیب یا علاج کے بروقت نہ پہونچنے سے سخت تکلیف برداشت کرتی اور بعض وقت بکثرت ہلاک ہو جاتی ہیں اور اس دردناک حالت کو دیکھکر ہم نے یہ پاکٹ کیس تیار کیا ہے اور اسمیں مختلف پچاس ساٹھ بیماریوں کی جنکی اکثر شکایت رہتی ہے وہ زوداثر صحیح مجرب ادویہ رکھی ہیں جنسے ہر ایک ڈاکٹری اور یونانی طب ثابت نہیں کر سکی اور یہ کیس ایسا بنایا گیا ہے کہ جیب میں رہ سکے ایک ترکیب اسکی ہمراہ ہے اور ہر طرح سے ایسی آسانی کی گئی ہے کہ شد بد جاننے والا انسان بھی سفر و حضر میں اسکو سمجھ کر پورے طبیب کا کام دے سکتا ہے اور ادویہ کے استعمال سے وقت پر بعض کو خطرات متعلقہ سے بچا سکتا ہے - اسلئے اس پاکٹ کیس کا ہر ایک انسان کے پاس ہر حالت میں ہونا ضروری ہے - قیمت ؏ / ؏

آئینہ صحت تمامہ سرٹیفکٹ ادویات کارخانہ مرہم عیسیٰ	**کارخانہ مرہم عیسیٰ حکیم محمد حسین برادر لاہور سے طلب کرو**	عمدۃ التقویم ۱۹۰۲ء معہ فہرست ادویات مفت

Digitized by Khilafat Library

اعلان

طلباء کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۵ مئی سے مدرسہ تعلیم الاسلام کو تعلیم الاسلام کالج بنا دیا گیا ہے اور ایف اے کی پہلی جماعت کھول دی گئی ہے فیس دو سال کے لئے معاف ہے۔ سوائے سائینس کے باقی مروجہ مضامین پڑھائے جائینگے اور انکے علاوہ عربی اور دینیات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دیجاوے گی۔ خط و کتابت بنام مولوی شیر علی صاحب بی اے پرنسپل کالج تعلیم الاسلام ہونی چاہیئے۔